761

تاریخ اسلام

سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ

تاریخ اسلام

دوسرا ایڈیشن

حصۂ چہارم

مصنفہ

آیۃ اللہ العظمیٰ الحاج سید العلماء مولانا

سید علی نقی النقوی

طاب ثراہ

قیمت

۱۸ روپے

maablib.com

التجا

اس کتاب کے اخراجات مشن کے ہمدرد حجۃ الاسلام مولانا سید باقر
قبلہ مجتہد نے دیئے ہیں لہذا آپ حضرات ایک سورۂ فاتحہ ان کے والد ممتاز العلماء
ابوالحسن صاحب قبلہ طاب ثراہ والدہ مرحومہ اور بھائی مولانا سید مرتضیٰ صاحب مرحوم
ناظمیہ عربی کالج لکھنؤ کو بخش دیں۔

تاریخ اسلام کا چوتھا حصہ ختم ہوگیا تھا۔ جسکی ایک عرصہ سے شدت
مانگ تھی۔ اللہ تعالیٰ مولانا افضال صاحب کے علم واقبال میں اضافہ فرمائے انھوں نے یہ کتاب
کی جسکی وجہ سے اس کتاب کی اشاعت ممکن ہو سکی۔

مخیر حضرات سے پرزور اپیل ہے کہ وہ مشن کا ایک ایک کتابچہ یا کتاب اپنے
سے اپنے کسی مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے چھپوا دیں تو ۶۰۰ کتابیں اور رسالے جو ختم ہو
ہیں وہ پھر چھپ کر سامنے آجائینگے۔ ۱۶ صفحہ کے ایک ہزار رسالوں پر ساڑھے سات سو ر
۳۲ صفحات پر سوا ہزار روپیہ مع سرورق بلاک فوٹو وغیرہ خرچ ہونگے۔ اسی حساب سے
صفحات کی کتاب پر خرچ ہوگا۔

خادم ملت
عابد طباطبائی
سکریٹری امامیہ مشن ہشتہ پوسٹ بکس
چوک۔ لکھنؤ ۳۔ انڈیا

اپریل سنہ ۱۹۹۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید الانبیاء والمرسلین محمد ن المصطفےٰ خاتم النبیین والہ الطیبین الطاہرین المعصومین!

فدک

جنگ خیبر کی فتح کا اثر تھا کہ اطراف کے یہودیوں پر اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی شوکت و سطوت کا رعب چھا گیا چنانچہ فدک والوں نے بغیر کسی جدال و قتال کے اپنی املاک حضرت رسولخداؐ کے سپرد کر کے مصالحت کر لی۔

اس سلسلہ میں برادر محترم مولانا سید محمد صاحب گوپال پوری نے اپنے ایک رسالہ میں جو ابھی غیر مطبوعہ ہے، کافی معلومات فراہم کئے ہیں۔ چونکہ ممدوح نے یہ رسالہ مناسب موقع پر اشاعت کے لئے مجھے مرحمت فرمایا تھا۔ اسلئے بغرض رفاہ عام ان کے اس حصہ کے مندرجات کو میں اپنی کتاب کا جز بنا کر پیش کر رہا ہوں جو فدک کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے سردست وافی و کافی معلوم ہوتا ہے۔

اصل رسالہ اب خود ممدوح کے پاس پہونچ چکا ہے۔ جو امید ہے کہ محفوظ ہوگا۔ تکمیلی فائدہ کے لئے اصل کتابوں کی مطابقت کے بعد صفحوں کے حوالے میں نے ذیل حواشی میں درج کر دیا ہے۔

یاقوت حموی بتحقیق لفظ فدک میں لکھتے ہیں :۔

فدک بالتحریک وآخرہ کاف قریۃ بالحجاز بینہا وبین المدینۃ یومان وقیل ثلثۃ افاءہا اللّٰہ علی رسولہ فی سنۃ سبع صلحاً[1]

فدک حجاز کی ایک بستی ہے جو مدینہ سے دو یا تین دن کے راستے پر ہے۔ اسے اللہ نے اپنے پیغمبر کو ۷ھ میں بربنائے صلح اپنے پیغمبر کی بطور فئے عطا فرمایا تھا۔

فیئ کے معنی اس کے بعد درج کئے جائیں گے۔

ابن شہاب زہری کی روایت ہے کہ یہ مخیریق یہودی کے املاک تھے برقہ۔ اعواف۔ صافیہ۔ میثب۔ حسنیٰ۔ مشربہ ام ابراہیمؑ۔ دلال یہ کل سات قطعات تھے۔ ان میں بہت سے نخلستان تھے۔ ۷ھ تک یہ علاقہ کفار خیبر کے اور دیگر یہود کی ملک تھا۔ جنگ خیبر کے بعد حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چند مصالحتی شرائط پر ملا۔ اس پر کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے یہ پیغمبر اسلامؐ کا خالصہ تھا جس کی پیداوار حضرت اپنے ضروریات میں بھی صرف فرماتے تھے اور اس سے محتاجوں کی اعانت بھی فرماتے تھے۔

یہی سات قطعوں کے نام فروع کافی[2] میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی حدیث میں بھی وارد ہیں۔

---

[1] معجم البلدان مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء ج ۶ ص ۳۴۲

[2] مطبوعہ ایران ۱۳۱۵ھ ص ۲۴۷ کتاب الوصایا باب صدقات النبیؐ

ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ[1] میں لکھتے ہیں۔

عن الزہری قال لقیت بقیۃ من اھل خیبر تحصنوا فسالوا رسول اللہؐ ان یحقن دماءھم ویسیرھم ففعل فسمع ذلک اھل فدک فنزلوا علی مثل ذلک وکانت للنبی خاصۃ لانہ لم یوجف علیہا بخیل ولارکاب

زہری سے روایت ہے انھوں نے کہا بچے ہوئے خیبریوں نے جو قلعہ بند ہو گئے تھے، پیغمبر اسلامؐ سے جان کی اماں چاہی اور شہر خیبر دینے کا وعدہ کیا تو پیغمبر اسلامؐ نے انکی درخواست منظور کر لی۔ فدک والوں کو یہ خبر ملی تو انھوں نے بھی یہی درخواست پیش کی جب حضورؐ نے انکو نیا بیلئے فدک سرکار دو عالمؐ کی خاص ملک قرار دیا کیونکہ اس پر فوج کشی نہیں ہوئی تھی۔

تاریخ طبری میں بھی اس کی تصریح ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

فکانت فدک لرسول اللہؐ خاصۃ لانھم لم یجلبوا علیھا بخیل ولارکاب[2]

فدک خاص پیغمبر خداؐ کا تھا اسلئے کہ مسلمانوں نے اس پر سواروں اور پیادوں کی شکل میں حملہ کیا نہیں تھا۔

سیرت ابن ہشام کے بھی الفاظ یہ ہیں کہ :۔

فکانت خیبر فیئا بین المسلمین وکانت فدک

خیبر مسلمانوں کے درمیان مشترک مال غنیمت کی حیثیت رکھتا تھا اور فدک

---

[1] ط مصر ج ۴ ص ۷۸

[2] تاریخ طبری ط مصر ج ۳ ص ۹۵

خالصۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانھم لم یجلبوا علیھا بخیل و لا رجال ۱؎

خاص رسول خدا ؐ کا تھا اسلئے کہ مسلمانوں سوار کی صورت میں اس پر فوج کشی نہیں کی تھی۔

یہ حکم قرآن مجید کے اس نص پر مبنی ہے کہ:

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شیء قدیر

جو اللہ نے اپنے رسول کو مال غنیمت میں عطا کیا اسلئے کہ تم نے اس پر سوار اور پیادوں کی شکل میں فوج کشی نہیں کی مگر اللہ اپنے پیغمبروں کو قابو دیتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

علامہ فخر الدین رازی نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:-

فذکر اللہ الفرق بین الامرین وھو ان الغنیمۃ ما اتعبتم انفسکم فی تحصیلھا واوجفتم علیھا بخیل ورکاب بخلاف الفیئ فانکم ما تحملتم فی تحصیلہ تعبا فکان الامر فیہ مفوضا الی الرسول لیضعہ حیث

خداوند عالم نے مال غنیمت اور فیئ میں فرق بیان کیا ہے کہ مال غنیمت وہ ہے جسکے حاصل کرنے میں تم نے زحمت و مشقت برداشت کی ہے اور سواروں اور پیادوں کے ساتھ فوج کشی کی ہے۔ برخلاف فیئ کے کہ اسکے لئے تمہیں کوئی زحمت نہیں اٹھانی تو اس میں اختیار کلیتہ رسول کو ہے جس طرح چاہیں،

۱؎ السیرۃ النبویۃ ابن ہشام القسم الثانی الجزء الثالث والرابع الطبعۃ الثانیۃ بمصر سنہ ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۵ء ص۳۳۰

لیتا ع[۱]

اُسے صرف کریں۔

بھی فدک وہ تھا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ :-

وات ذاالقربیٰ حقہ — صاحب قرابت کو اُس کا حق دے دیجیے۔

تو حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا کو بلا کر فدک کی ملکیت کی تحریر اُن کے لئے لکھ دی۔

اس کا کتب اہل سنت میں بھی تذکرہ موجود ہے[۲]۔ اور یہی علمائے شیعہ کی متفقہ روایت ہے۔ علامہ طوسی تحریر فرماتے ہیں :-

فلما فرغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ من خیبر عقد لواء ثم قال
من یقوم علیہ فیها فذ بحقہ
وھو یرید ان یبعث الی حوائط
فدك فقام اليه
قال انا فقال له ا عنہ
قام سعد فقال اسط عنہ
ثم قال یا علی قم الیہ فخذہ
فاخذہ فبعث به الی فدك
فصالحهم علی ان یحقن دماءهم.

جب حضرت پیغمبر خدا خیبر کی مہم سے فارغ ہوئے تو آپ نے ایک علم مرتب فرمایا پھر کہا کون اُٹھتا ہے کہ اسے اپنے استحقاق کی بنا پر ہاتھ میں لے۔ اور آپ کا مقصد یہ تھا کہ وہ اُسکو فدک کے علاقہ کی طرف روانہ فرمائیں تو بعض علم لینے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپنے فرمایا تم ہٹ جاؤ، پھر سعد کھڑے ہوگئے، آپنے انھیں بھی ہٹا دیا۔ پھر خود فرمایا کہ اے علی تم کھڑے ہو اور اسے لو چنانچہ انھوں نے لیا۔ آپ نے اُنھیں فدک کی طرف روانہ فرما دیا تو آپ نے وہ سب صلح کی اس شرط پر کہ انھیں جان کی امان دی

---

[۱] تفسیر کبیر ج ۸ صہ ۱۲۵

[۲] الدر المنثور فی التفسیر بالماثور سیوطی ج ۴ صہ ۱۷۷

maablib.com

فكانت حوائط فدك لرسول
الله خاصا خالصا فنزل
جبرئيل فقال ان الله عزو
جل يامرك ان توتي
ذاالقربی حقه فقال یا
جبرئیل ومن قرابانی وما
حقها قال فاطمة فاعطها
حوایطها حوایط فدك
وما لله ولرسوله فیها
فدعا رسول الله فاطمة
علیها السلام وكتب لها
كتابا[1]

جائے گی۔ اس طرح فدک کے علاقوں کی
جائداد خاص رسول اللہؐ کی ہوئی۔ اس پر
جبرئیل نازل ہوئے۔ اور کہا کہ خدا وند عالم کا
یہ حکم ہے کہ آپ ذی القربیٰ کو اُس کا حق دیدیجئے
آپ نے کہا، اے جبرئیل یہ ذی القربیٰ
کون ہیں، اور اُن کا حق کیا ہے۔ کہا فاطمہ تو
اُنھیں ان کے حق میں یہ فدک کے احاطے اور
جو کچھ اُن میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کا حق ہے۔
سب دیدیجئے تو اس پر رسول خداؐ نے جناب
فاطمہؑ کو بلایا، اور ایک تحریر لکھ دی۔

---

[1] اعلام الوری۔ مطبوعہ طہران طبع جدید صفحہ ۱۰۸-۱۰۹

مہاجرین حبشہ کی مراجعت

جناب جعفر بن ابی طالبؑ کی سرکردگی میں جو مکہ معظمہ سے حبشہ کی طرف بہت سے اصحاب نے ہجرت کی تھی، اُن اصحاب میں بہت سے وقتاً فوقتاً واپس آتے رہے تھے مگر جناب جعفرؑ اور کچھ اصحاب اب تک ملک حبش میں تھے۔

حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی واپسی کے لئے عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ نجاشی بادشاہ کو خط روانہ فرمایا تھا چنانچہ سولہ آدمی باقی ماندہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ جناب جعفرؑ کی سرکردگی میں اب واپس ہوئے۔[1]

حسن اتفاق ہے کہ خیبر کی فتح کے بعد اُسی دن یہ لوگ آپ کی خدمت میں پہنچے جو مسلمانوں کے لئے مدینہ میں بنا ہوا تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسرت جو فتح خیبر سے ہوئی تھی، اس سے دوبالا ہو گئی۔

حضرتؐ نے جعفرؑ کو اپنے سینے سے لپٹا لیا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ آپ فرما رہے تھے کہ مجھے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ مجھے خیبر کے فتح ہونے کی خوشی زیادہ ہے۔ یا جعفرؑ کے آکر ملنے کی۔[2] کسی مصنف پر جب بھی بدحواسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اُس کا ایک نمایاں کرشمہ ہے حمید بن

---

[1] محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ شیخ محمد الخضری ج ۱ طبع ثالثہ ص۱۹۲ مصر

[2] مقاتل الطالبین مطبوعہ نجف ۱۳۵۳ھ ص۶ و تاریخ ابو الفداء ج ۱ ص۱۴۸

(لندن) بیرسٹرایٹ لاء لاہور نے حدیبیہ کے بعد جنگ خیبر سے پہلے جنگ موتہ کا حال درج کر ڈالا ہے[۱] جس میں جناب جعفر بن ابی طالب شہید ہوئے ہیں جس کا ذکر ہم بعد کو کریں گے۔ اور جنگ خیبر کے تذکرہ کے بعد لکھا ہے:۔

"سرکار ابھی خیبر ہی میں مقیم تھے کہ حبش سے حضرت جعفر بن ابی طالب آ پہونچے۔ آپ کے ساتھ بہت سے مہاجرین کے بادشاہ حبش کا ایک سفیر خاص طور پر دربار حضرت میں آیا۔ اور بادشاہ حبش کی طرف سے حضور کے ہاتھ پر بیعت کی جس سے بادشاہ حبش بھی مسلمان ہو گئے[۲]"

یہ بات بھی غلط ہے کہ "سرکار ابھی خیبر ہی میں مقیم تھے" بلکہ تاریخ میں صراحت سے درج ہے کہ:۔

ثم سار الی المدینة وبها قدمها وصل الیه من الحبشة بقیة المهاجرین ومنهم جعفر بن ابی طالب[۳]

اس کے بعد حضرت مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور جب مدینہ تشریف لائے تو حبش کے باقی ماندہ مہاجرین آکر پہونچے جن کے ساتھ جعفر بن ابی طالب بھی تھے۔

۱۔ "مسلمانان عالم" حصہ اول صفحہ ۸۳

۲۔ مسلمانان عالم ص۸۳

۳۔ تاریخ ابوالفدا ج ۱ ص۸

منبرِ رسولؐ

اس سال کو بعض مورخین کے نزدیک ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ پڑھنے کے لئے منبر بنوایا۔

اس سے پہلے حضرت ایک درخت کے تنے سے لگ کر جو مسجد میں تھا خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

اس منبر میں صرف دو زینے اور اس کے اوپر عرشہ تھا جس پر آپ تشریف فرما ہوتے تھے۔

عرصہ تک حضرتؐ کے بعد بھی منبر ایسا ہی رہا۔ پھر بعد میں خلفائے بنی امیہ کے دور میں اس میں اضافہ کر کے عرشہ کے نیچے چھ زینے کیے گئے۔[1]

دوسرا قول یہ ہے کہ منبر ۸ھ میں بنا ہے۔ ابن جریر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔[2]

---

[1] تاریخ امیر حیدر احمد شہابی ۵ حشر ج ۱ ص ۳۵

[2] ضمراللت عندنا تاریخ طبری ج ۳ ص ۹۹

عمرۃ القضاء

مشرکین کے سدِراہ ہونے کی وجہ سے صلح حدیبیہ کے موقع پر جس عمرہ کو رسولؐ نے ترک کر دیا تھا، شرائطِ صلح کے مطابق دوسرے سال پیغمبر خداؐ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ ذیقعدہ سنہ ۷ھ میں ادا فرمایا۔

قریش نے قرارداد کے مطابق تین دن کے لئے مکہ خالی کر دیا اور حضرتؐ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ جو گزشتہ سال ساتھ تھے، مکہ میں داخل ہو کر خانۂ کعبہ کا طواف کیا اور دوسرے احکام عمرہ عمل میں لائے۔ پھر حسب قرارداد تین دن کے بعد مکہ کو چھوڑ دیا۔ اسی کو "عمرۃ القضاء" کہا جاتا ہے۔

اس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں مکہ میں داخلہ کا منظر دکھا کر جو بشارت ہوئی تھی اور قرآن میں جسے ان الفاظ میں دہرایا گیا تھا کہ:۔

واللہ لتدخلن المسجد الحرام ، آمنین محلقین روسکم ومقصرین

خدا کی قسم تم لوگ مسجد الحرام میں داخل ہوگے باطمینان اس طرح کہ کچھ اپنے سروں کو منڈوا سکیں گے اور کچھ اپنے بال یا ناخن ترشوائیں گے۔

تاریخ کی نگاہ کے سامنے پوری ہوگئی

اس موقع کی تصویر جو ولیم میور نے کھینچی ہے، خواجہ محمد لطیف صاحب انصاری نے اپنی اردو زبان میں یوں درج کی ہے:۔

"وہ منظر عجیب و غریب تھا جو اس وقت وادی مکہ میں نظر آ رہا تھا۔ ایسا منظر جو دنیا کی تاریخ میں آپ اپنی نظیر ہے۔ قدیم شہر تین روز کے لئے اپنے تمام باشندوں سے خالی ہو گیا ہے جس میں بلند و پست سب ہی شامل ہیں ایک ایک مکان ویران ہے اور وہ لوگ جو مدتوں سے جلا وطنی میں دن گزار رہے تھے۔ خوشی خوشی اپنے بچپن کے خالی مکانوں کی طرف دوستوں کے ساتھ لمبے لمبے قدم بڑھاتے ہوئے چلے آ رہے ہیں اور تھوڑے وقت کے اندر عمرہ بجا رہے ہیں۔ شہر کے بیرونی باشندے بلندیوں پر چڑھ کر نو وارد وں کی آمد و رفت کو دیکھ رہے ہیں جو رسول اللہ کی قیادت میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر رہے ہیں:

(سکتے ہیں لیکن ان میں ایک بات خاص) چاہے آج کے مسلمان اس خصوصیت سے بے خبر ہو گئے ہوں مگر اُس وقت مشرکین کی اس حقیقت سے باخبر تھے کہ بارگاہِ رسالت کا خاص دروازہ حضرت علیؑ کی ذات ہے چنانچہ جیسا کہ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں :-

"تین دن کے بعد حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا محمدؐ سے کہدو کہ شرط پوری ہو چکی۔ اب مکہ سے نکل جائیں۔ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے عرض کی۔ آپ اسی وقت روانہ ہو گئے۔"

---

۵ سیرۃ النبی حصہ اول طبع چہارم مطبع معارف اعظم گڑھ صفحہ

پیغمبر اسلام کے خطوط فرمانروایان وقت کے نام
اور
اُن کے آثار و نتائج

طبری نے ان خطوط کا بیان ۶ھ کے اواخر میں کیا ہے اور اس کے بعد ۷ھ کے واقعات کو شروع کیا ہے ۔

لیکن ہمارے محقق بزرگ خواجہ محمد لطیف صاحب انصاری نے (خداوند تعالیٰ ان کو صحت سے شفا عطا فرمائے) "اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ" کے گیارھویں باب کا خاص عنوان بھی قرار دیا ہے "حکمرانوں کو دعوت اسلام ۷ھ مطابق ۶۲۸ء" جس میں نہایت عمدگی سے ان مکاتیب کو تمہیدی پس منظر تحریر کیا ہے جس کا بنیادی مضمون یہ ہے کہ :-

"سرکار رسالت محمد مصطفےٰ (ارواحنا لہ الفداء) صرف عرب کے لیے نہیں بلکہ تمام عالم کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے تھے اس لیے حضور نے اسلام کو "دنیا کے واحد دین" کی حیثیت سے پیش کیا تھا ــــ صلح حدیبیہ کے بعد ۷ھ تک عرب کا اکثر حصہ حلقۂ اسلام میں آچکا تھا اس لیے رسول اللہ نے فیصلہ کیا کہ ان تمام حکمرانوں کو جن کے مقبوضات عرب سے ملحق تھے، دعوتِ اسلام دیں، یہ دعوت ان

حکمرانوں کو انفرادی طور پر نہیں بلکہ ان کی وساطت سے ان کی رعایا کیلئے بھی تھی جن کے وہ نمائندہ اور حکمران تھے۔

ان حکمرانوں کی فہرست یہ ہے:۔

۱۔ کسریٰ ایران ۲۔ قیصر روم

۳۔ نجاشی بادشاہ حبشہ ۴۔ حاکم بحرین

۵۔ حاکم عمان ۶۔ مقوقس تاجدار مصر

۷۔ حاکم یمامہ ۸۔ منذر بن حارث حاکم شام

۹۔ حاکم قفرے

خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"رسول اللہؐ کا وہ دعوت نامہ جو حضور نے مقوقس مصر کو لکھا تھا اب تک مصر کے شاہی کتب خانہ میں محفوظ ہے اور جو دعوت نامہ ہرقل کو لکھا تھا وہ قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[۱]"

طبری نے لکھا ہے کہ ذی الحجہ ۶ھ میں چھ قاصد روانہ کئے گئے۔ تین ایک ساتھ مقوقس اور حارث بن ابی شمر غسانی اور قیصر روم کے پاس اور چوتھا قاصد ہوذہ بن علی حنفی (حاکم یمامہ) کے پاس۔ پانچواں کسریٰ شہنشاہ ایران کے پاس اور چھٹا نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس۔

ان کے علاوہ پھر ایک ساتواں قاصد کا ذکر ہے جو منذر بن ساوہ حاکم بحرین کے پاس بھیجا گیا اور آٹھواں جیفر بن جلندی اور عباد بن جلندی

۱۔ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ جلد اول صفحہ ؟؟

کے پاس جو دونوں بھائی مشترک طور پر عمان کے حاکم تھے۔
ان سب خطوط کا پورا متن تو ہمیں ابھی تک زیر نظر مستند اور قدیم ماخذوں میں نہیں ملا مگر چند خطوط کی عبارت طبری نے درج کر دی ہے۔

حضرتؐ کا مکتوب ہرقل قیصر روم کے نام

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللّٰہ الی ہرقل عظیم الروم: سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد اسلم تسلم واسلم یؤتک اللّٰہ اجرک مرتین ولن تتولی فان اثم الاریسیین علیک[۱]

خط ہے اللہ کے پیغمبر محمدؐ کی طرف سے روم کے صاحب اقتدار ہرقل کے نام۔
سلام ہو اُسے جو ہدایت کی پیروی کرے۔
اسلام لے آؤ تو تمھارے لئے سلامتی ہوگی اور تم اسلام لاؤ تو تمھیں دہرا ثواب ہوگا اور اگر تم روگردانی کروگے تو دوسرے تمام لوگوں کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔

یہ مختصر جملہ کہ "اَسلِم تَسلَم" اُس اعجازی شان کا ہے جو حضرتؐ کے کلام کی منجانب اللہ خصوصیت تھی، جس کے لئے ارشاد ہوا ہے:

اعطیت جوامع الکلم

مجھے اللہ کی طرف سے جامعیت رکھنے والے الفاظ عطا ہوئے ہیں۔

---

[۱] تاریخ الرسل والملوک طبری ج۔ ۳ بالینڈ صفحہ ۱۵۶۵

مکتوب بنام منذر بن الحارث بن ابی شمر الغسانی فرمانروائے دمشق

سلام علی من اتبع الهدی وآمن به انی ادعوک الی ان تؤمن بالله وحده لا شریک له یبقی لک ملکک

تاریخ طبری صفحہ ۱۵۶۸

سلام اُس پر جو ہدایت کے درپے رہے اور اُس پر ایمان لائے، میں تمھیں دعوت دیتا ہوں کہ ایک اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس صورت میں تمھارا ملک تمھارے لئے برقرار رہے گا۔

مکتوب بنام شہنشاہ ایران

من محمد رسول الله الی کسری عظیم فارس، سلام علی من اتبع الهدی وآمن بالله ورسوله وشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله الی الناس کافة لینذر من کان حیا اسلم تسلم فان ابیت فعلیک اثم المجوس

(طبری صفحہ ۱۵۷۱)

یہ خط ہے اللہ کے پیغمبر محمد کی طرف سے فارس کے صاحب اقتدار کسریٰ کے نام، سلام ہے جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اُسکے پیغمبر پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود حق نہیں اور یہ کہ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کیجانب سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تا کہ ہر اُس شخص کو جس میں زندگی ہے، غضب الٰہی سے ڈراؤں، اسلام لے آؤ تو تمھارے لئے سلامتی ہوگی اور اگر تم انکار کروگے تو تمام آتش پرستوں کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔

اپنے مضمون کے لحاظ سے ہرقل قیصر روم والے خط سے تقریباً متحد ہے اور موقع

بر ہمیں جس بات کی طرف خاص طور پر توجہ دلانا ہے، وہ یہ ہے کہ ان تمام خطوط میں جو حکمرانوں کے نام لکھے گئے ہیں، جہاں تک کہ قدیم اور مستند ماخذوں سے پتہ چلتا ہے، کہیں بھی یہ نہیں ہے کہ اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو پھر تمھارے خلاف فوج کشی کی جائے گی اور تمھارے ملک پر قبضہ کر لیا جائے گا جو مادی اقتدار رکھنے والے حکمرانوں کے خطوط کا انداز ہوا کرتا ہے بلکہ ان میں خود انھیں اسلام کو دین حق کی حیثیت سے قبول کر لینے کی دعوت دی گئی ہے جس کے نتیجہ کو پیغمبرانہ انداز میں بتایا گیا ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو تمھارے لئے علاوہ آخرت میں انجام بخیر ہونے کے دنیا میں بھی سلامتی نصیب ہوگی اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم سے پاداش آخرت ہی کا ہولناک تصور پیدا کیا ہے کہ تم پر تمھارے ہی نہیں، تمھاری پوری قوم کے گناہوں کی ذمہ داری ہوگی۔ کیونکہ الناس علی دین ملوکھم کے مشہور مقولہ کے مطابق بادشاہ کا اثر پوری قوم پر پڑتا ہے اور کہیں پیغمبرانہ لب و لہجہ ہی میں تباہی کی اطلاع دی گئی ہے جو ظالمانہ اقتدار کا آخر میں منجانب الٰہی مقدر ہوتا ہے۔

ہم نے قدیم ماخذوں سے جو خطوط کا متن تحریر کیا ہے اور ان کے انداز تحریر کے جس پہلو پر توجہ دلائی ہے، اسے مصر کے بعض جدید اہل قلم نے بھی محسوس کیا ہے جیسے کتور جمال الدین رمادی جنھوں نے اپنی کتاب "الاسلام فی المشارق والمغارب" (مطبوعہ مطبع الشعب ۱۹۶۰ء) میں ان خطوط کا تذکرہ کرنے سے پہلے بطور تمہید لکھا ہے:۔

جدید بالذکر ان الاسلام دین ۔۔۔ قابل ذکر یہ امر ہے کہ اسلام آزادی، اخوت

الحرية والاخاء والمساواة
لا يعرف الظلم الى مبدئه سبيلا
ولا الطغيان الى تعاليمه طريقا
فهو دين السماحة وسجاحة
الخلق وصفاء الطبع ونقاء الطوية
ولم يكن حد السيف او اسنة
الرماح سببا لانتشاره في يوم
من الايام فالرسول قد كتب
الى مختلف الملوك والاقيال
والامراء يدعوهم الى الاسلام
ص ۳

باہمی اور مساوات کا دین ہے۔ ظلم کو اُس کے
اصول میں دخیل ہونے کا راستہ نہیں ملتا اور
حدود سے تجاوز کا اُس کے تعلیمات میں گذر نہیں
تو وہ رواداری، نرمی اخلاق، صفائے طبیعت
اور پاکیزگی نیت کا دین ہے اور تلوار کی دھاریں
یا نیزوں کی انیاں اُس کی اشاعت کا کسی
ایک دن میں بھی دور زمانہ کے دنوں میں سے
سبب نہیں تھیں چنانچہ پیغمبر خدا نے مختلف
بادشاہوں، حاکموں اور امیروں کے خطوط لکھے
جن میں انھیں اسلام کی طرف دعوت دی ہے

پھر خطوط کا مضمون درج کرنے کے بعد لکھا ہے:-

فهكذا كان الرسول الكريم
يرسل الكتب الى الملوك
والا سوقة والاقيال من
اجل هداية الناس ونشر
الاسلام ولم تكن هذه الكتب
وسائل عنف وارهاب او
ذرائع للبطش والتنكيل
ص ۵

اس طرح پیغمبر اکرمؐ بادشاہوں، قیصروں
اور حاکموں کو خط بھیجتے تھے وہاں کے
لوگوں کی ہدایت اور اسلام کی اشاعت
کے لئے اور یہ خطوط سختی اور دہشت
انگیزی کی خاطر یا حملہ آوری اور جنگجوئی
کا ذریعہ نہ تھے۔

بعد کے مسلمان اگر اس پر غور کرتے تو اُن کی سمجھ میں آنا چاہیئے تھا کہ فتح ممالک کا اسلام میں یہ تصور نہیں کہ دوسرے ملکوں پر بحیثیت زمین کے قبضہ کیا جائے بلکہ فتح ممالک کے معنی یہ ہیں کہ اُس ملک والوں کو ہم اپنا بنالو پھر خود بخود وہ ملک تمھارا ہو جائے گا جس میں جبر کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا بلکہ انھیں محاسن اسلام سے متاثر کر کے اختیاری طور پر ہی یہ مقصد پورا ہوتا ہے۔

ردِّ عمل

جن اہلِ اقتدار کو خط لکھے گئے تھے، اُن کا رویّہ مختلف رہا۔

شہنشاہِ ایران خسرو پرویز نے اس خط کے پہونچنے پر غضبناک ہو کر توہین آمیز انداز اختیار کیا اور خط کو پھاڑ ڈالا۔ اس پر حضرت نے اخبار بالغیب کے انداز میں فرمایا کہ اس نے میرا خط چاک کیا ہے۔ اللہ اُس کی سلطنت کو پارہ پارہ کرے گا۔

مصر کے بادشاہ **قیصر** نے آپ کے خط اور قاصد کے لئے اعزاز و اکرام کا طریقہ اختیار کیا اور آپ کی خدمت میں تحائف بھیجے۔

ان سب سے بہتر تاثر نجاشی بادشاہِ حبشہ کا تھا جس نے حقانیت رسُول کا اعتراف تو جناب جعفر طیار سے گفتگو کے بعد ہی کر لیا تھا اور آخر میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے اسلام کا اعلان بھی کر دیا چنانچہ اُس کی وفات پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور روایاتِ اہلِ سنت میں ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔

منذر بن سلوی حاکم بحرین اور جیفر و عبد حاکمان عمان نے بھی اسلام قبول کیا۔

پیغمبر خدا نے ان میں نہ اُن لوگوں کی سلطنت میں کوئی دخل دیا جو اسلام قبول کر چکے تھے، اور نہ اُن پر کوئی فوج کشی کی جنھوں نے اسلام لانے سے انکار یا سکوت اختیار کیا تھا۔

صرف حاکم بصریٰ شرحبیل غسانی نے یہ کیا کہ بین الاقوامی قانون اور انسانیت کے تقاضوں کے خلاف آپ کے قاصد حارث بن عمیر کو سرزمین موتہ پر قتل کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں جنگ موتہ واقع ہوئی جس کا تفصیلی تذکرہ ابھی آئے گا۔

ہرقل قیصر روم کے لیے ایسے روایات ہیں جن سے اُس کا اسلام کی طرف مائل ہونا ظاہر ہوتا ہے بلکہ حامد عبد القادر نے اپنی کتاب "الاسلام ظہورہ وانتشارہ فی العالم" (طبع مصر) صفحہ ۱۳۱ میں لکھا ہے:۔

یکاد یکون المجمع علیہ بین مؤرخی العرب ان ہرقل کان راغبا الی الاسلام وانہ محادثۃ مع ابی سفیان فی شان النبی فی حدیث طویل۔	عرب مورخین کے درمیان تقریباً بالکل متفق علیہ ہے کہ ہرقل اسلام کی طرف رغبت رکھتا تھا اور اُس کی ابو سفیان سے حضرت رسول کے بارے میں ایک گفتگو کی جس کا واقعہ کافی طولانی ہے۔

پھر اس پورے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس نے اور دوسرے قرائن سے عرب مورخین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہرقل اسلام کی طرف مائل تھا لیکن بعد کے مورخین کو اس روایت کو قبول کرنے میں تامل ہے اور جو چیز

اس کے ماننے سے روکتی ہے وہ ہرقل کا وہ طرزِ عمل ہے جو اس کے بعد رہا جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے شدید مخالفت رکھتا تھا۔ چنانچہ شام، فلسطین اور مصر میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے فوجیں جمع کیں اور مقوقس کی اسلام کی طرف رغبت نمایاں ہوئی تو وہ اُس پر غضبناک ہوا اور اُسے قسطنطنیہ بلوا کر ملک سے نکلوا دیا پھر موتہ کی جنگ بھی ہے۔

بآخر میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اِن دونوں فریق کی باتیں اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ صورتِ حال یہ ہے کہ وہ ذاتاً حقانیتِ اسلام سے متاثر ہوا تھا مگر اُس نے رومیوں کی رائے عامہ کو اس کے خلاف پایا اور خود اپنے اقتدار کے لئے خطرہ محسوس کیا۔ اس لئے وہ شدت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو گیا۔[۱]

---

[۱] الاسلام، ظهوره وانتشاره في العالم، ط مصر ص۲۱۸

جنگ موتہ

یہ جنگ جمادی الاولیٰ سنہ ۸ھ میں ہوئی[۱]

علامہ سید محسن امین عاملی نے اس لفظ کا تضیاط کیا ہے اس طرح: م مضموم اور پھر ہمزہ ساکن جس کے بعد ت ہے۔ اس طرح اصل تلفظ اس کا مُؤْتَہ ہوتا ہے[۲] جو عربی کے علم قاعدہ تعطیل کے مطابق مُوْتَہ (واؤ معروف کے ساتھ) مشہور ہو گیا ہے۔

یہ سرزمین بلقاد کی بستیوں میں سے ایک بستی کا نام تھا جو موجودہ زمانہ میں شرق اردن کے ملک میں داخل ہے[۳]۔

سریہ یا غزوہ؟

عام طور پر یہ جنگ "غزوہ موتہ" کے نام سے مشہور ہے مگر اصطلاحاً "غزوہ" وہ ہوتا ہے جس میں خود حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے ہوں اور اس جنگ میں جیسا کہ آئندہ حالات سے معلوم ہوگا حضرتؐ خود تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ دوسرے اشخاص کو سردار بنا کر بھیجا تھا، اس لئے اصطلاحاً اسے "سریۃ" کہنا چاہیئے۔

---

۱ مقاتل الطالبین ص۷، العبر فی خبر من غبر طبع کویت سنہ ۱۹۶۰ء ج ۱ ص۹، طبری ص۱۶۱۰

۲ اعیان الشیعہ ج ۲ ص ۲۷ ۳ حاشیہ دکتر صلاح الدین المنجد بر العبر ج ۱ ص ۹

اس جنگ کی دُور رس سیاسی اہمیت

قرآنی احکام اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری سیرت کی بنا پر یہ ہم بہت اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ خدا اور رسول کا اصل مقصد فتح ممالک اُس معنی میں ۔ نہ تھا جیسے غیروں ہی نے نہیں بلکہ بعد کے صاحب اقتدار مسلمانوں نے بھی غلط طور پر شاید سمجھا یا دوسروں کو سمجھایا اور اس لئے ملک ایران وغیرہ پر جو بعد میں فوج کشی ہوئی، اُسے ہم مسلمانوں کا عمل سمجھتے ہیں ۔ اسلام پر اُس کی ذمہ داری عائد کرنا ہم درست نہیں سمجھتے لیکن سلطنت روم سے جو تصادم ہوا، اُس کے اسباب بلاشبہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی سامنے پیدا ہو گئے تھے ۔ اور ان کا کشاں کشاں اُن بڑی لڑائیوں تک پہونچنا جن کے ذریعہ سے ملک روم فتح ہوا، اسباب وعلل کے طبعی تقاضے کی رو سے بالکل خلاف توقع نہ تھا ۔

یہ اور بات ہے اور اسے ہم تاریخ کی بدنصیبی سمجھ سکتے ہیں، کہ ان آویزشوں کا آغاز ہونے کے کچھ ہی بعد حضرت پیغمبر خدا کی وفات ہو گئی اور پھر اقتدار اُس مرکز سے ہٹ گیا جو براہِ راست پیغمبر خدا کے طریقۂ کار کا تحفظ کر سکتا تھا اس لئے ملک شام پر قبضہ ہونے کے بعد ایسے عناصر برسر اقتدار ہو گئے جنھوں نے اسلامی سلطنت کو خود رومی سلطنت کا مثنیٰ بنا کر اس کے حریف مقابل کی حیثیت سے کھڑا کر دیا ۔ اس طرح یہ بات سامنے نہ آئی کہ اگر پیغمبر خدا یا اُن کے تعلیمات کے حقیقی وارث خود ان لڑائیوں کو لڑ کر فتح حاصل کرتے تو ملک شام میں صحیح حقانیت کے جلوہ ریز کردار کے ساتھ

کس قسم کی سلطنت قائم ہوتی جس کے نتیجہ میں پامر کے ملک روم کی عیسائی طاقت جس میں قبولِ حق کی صلاحیت یقیناً پائی جاتی تھی، متاثر ہو کر یمن کی طرح اسلام کی طاقت کے سامنے نہیں بلکہ حقانیت کی گرویدہ ہو کر خود اپنے دل و دماغ کے ساتھ مسخر ہو جاتی تو اس کے بعد کی نہ حروب صلیبیہ ہوتیں اور نہ یورپ کی طاقتوں کی طرف سے مسلمانوں کی فتوحات کے جو قرضے آج تک کسی نہ کسی شکل میں وصول کئے جا رہے ہیں، یہ سلسلہ جاری ہوگا۔ مگر اب اسے ہم "آہ و حسرت" کے ساتھ اپنی جگہ سوچ لینے کے سوا دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکتے۔ اس لیے تاریخ نگاری کے فریضہ کو انجام دینے کے لئے ناگزیر ہے کہ بس اس سلسلۂ تصادم کی پہلی کڑی یعنی جنگ موتہ کے حالات ہی کو تحریر کریں جو اکثر مورخین کے بیان کے مطابق سنہ ۸ھ ماہ جمادی الاوّل میں ہوئی ہے۔[1]

باقی کڑیاں واقعی ہمارے نزدیک تاریخ اسلام کا جزو ہیں ۔۔! مختلف اوراق میں سامنے آئیں گی۔

---

[1] العبر للذہبی طبع کویت سنہ ۱۹۶۰ء ج ۱ ص ۱۰ ۔ شذرات الذہب ۔ سلوک و تحفۃ الخلفاء شہاب الدین بن بہاء الدین المرجانی مطبوعہ قزان (ترکیہ) ص ۱۲۸ تاریخ الاسلام حسن ابراہیم حسن ج ۱ طبع ۱۳۵۳ھ ۱۹۳۶ء ص ۱۴۶

پس منظر

جیسا کہ خواجہ محمد لطیف صاحب تحریر فرماتے ہیں:-
"اس زمانہ میں عرب کے شمال میں مشرقی رومی سلطنت پھیلی ہوئی تھی۔ اس وسیع علاقہ کا صدر مقام قسطنطنیہ تھا۔ رومیوں اور ایرانیوں نے عرب سے اپنے ملحقہ علاقوں کی سرحدوں پر چھوٹی عرب ریاستیں قائم کی ہوئی تھیں، جو اُن کی باج گزار تھیں اور ان کے اور عرب کے درمیان "بفر اسٹیٹ" کا کام دیتی تھیں۔
عرب کے شمالی علاقہ میں رومی سرحد پر جو عرب آباد تھے وہ غسان قبیلہ سے تھے، وہ عیسائی بھی ہو چکے تھے اور انھوں نے رومی تمدّن بھی اختیار کر لیا تھا اور اس اجنبی تمدّن پر نازاں تھے مشرق کی طرف جو عرب آباد تھے وہ ایران کی ساسانی حکومت سے متاثر تھے۔ ایرانیوں کی وفاداری کا دم بھرتے تھے اور انھوں نے ایرانی مذہب اور ایرانی تہذیب و تمدّن کو اپنا لیا تھا۔"[1]

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ پیغمبر اسلام نے جو خطوط مختلف ممالک کے سربراہوں کو بھیجے تھے، ان میں ایک خط حاکم بصریٰ شراحیل غسانی کے نام

---

[1] "اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ" جلد اول صفحہ ۱۸۲-۱۸۳

تھا اور صرف یہ ایک قہرمان ایسا تھا جس نے عرب کے بین الاقوامی اور تقریباً ہر دور کے بین الانسانی تقاضے کے خلاف آپ کے قاصد کو قتل کرا دیا تھا اور یہ واقعہ سرزمین موتہ پر پیش آیا تھا۔

دکتور حسن ابراہیم حسن نے اس حاکم کے نام کی صراحت نہیں کی ہے بلکہ لکھا ہے :-

ثم ارسل الرسول الی الغساسنة یدعوھم الی الاسلام	جب حضرتؐ نے غسانیوں کے پاس قاصد بھیجا انہیں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے
فقتلوا رسول النبی	تو انھوں نے پیغمبرؐ کے قاصد کو قتل کر دیا

(تاریخ الاسلام السیاسی ج ۱ ص ۱۲۶)

جمہور مورخین کے برخلاف محمد خضری بک نے جو پہلے دھر میں جامعہ مصر میں تاریخ کے پروفیسر تھے یہ لکھا ہے کہ یہ قاصد جو حارثؓ بن عمیر ازدی تھے شرجیل کے پاس بھیجے ہی نہیں گئے تھے۔ بلکہ یہ ہرقل کے نام خط لے جا رہے تھے اور راستہ میں شرجیل بن عمرو غسانی نے ان کو پکڑ کر قتل کر دیا۔

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ مطبوعہ مطبعۃ استقامۃ مصر ۱۳۶۲ھ ص ۲۸)

ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ واقعہ پیش آیا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جانب سے کوئی فوج کشی اس سرزمین پر بھی نہ فرماتے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ خطوط تو آپ نے سب ہی اس وقت کے نمایاں فرمانرواؤں کو لکھے تھے اور سوا ایک کے کوئی بھی اسلام نہیں لایا تھا بلکہ ملک فارس کے کسریٰ نے آپ کے خط کو توہین آمیز طریقہ پر چاک کر دیا تھا مگر آپ نے اُدھر فوج کشی کا حکم نہیں دیا۔ پھر روم کی طرف

آپ فوج کشی کا حکم کیوں دیتے جبکہ حدیث و تاریخ ہی سے نہیں، قرآن سے بھی یہ ثابت ہے کہ مسلمان ذہنی وجذباتی طور پر فارس کے مقابلہ میں رومیوں سے زیادہ قریب تھے۔ ان سے جب رومیوں پہ فارس کو فتح حاصل ہوئی تو مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا اور ان کی تسلی کے لئے ایک مستقل سورہ، سورۂ روم نازل ہوا جس کا آغاز اس سے ہے کہ:۔

غلبت الروم فی ادنی الارض	رومی لوگ قریب کی سرزمین میں مغلوب
وھم من بعد غلبھم	ہو گئے، مگر وہ اس دفعہ مغلوب ہونے کے
سیغلبون فی بضع سنین	بہت جلد تقریباً دس ہی برس کے اندر پھر
للہ الامر من قبل ومن بعد	غالب آئینگے۔ اللہ کے قبضہ میں بات ہے
ویومئذ یفرح المؤمنون	پہلے بھی اور بعد میں بھی اور اس دن مسلمان
بنصر اللہ ینصر من یشاء	اللہ کی طرف کی مدد سے خوش ہونگے۔ وہ جس
وھو القوی العزیز	کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ قوت والا
(اکیسواں پارہ)	بڑا عزت والا ہے۔

مگر قاصد کو قتل کرنا ایک ایسا سخت نا روا اقدام تھا جس پر خاموشی اختیار کرنا اپنی جماعت کی بالکل بے حسی کا ثبوت پیش کرتا تھا۔ اس لئے آپ نے تین ہزار کی فوج اس سمت بھیجنے کے لئے مرتب فرمائی اور زیادہ تر مورخین کے بیان کردہ ترتیب کے مطابق اس فوج کا پہلا سردار جناب زید بن حارثہ کو بنایا[1] جو اگرچہ ظاہری حیثیت سے ایک آزاد کردہ غلام تھے

---

[1] تاریخ طبری ص۲۱۰ مقاتل الطالبین ص۷

مگر سابقین الی الاسلام میں سے ہونے کی بنا پر انھیں یہ اعزاز عطا فرمایا گیا بعد میں اپنے محل پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد آئے گا جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اس وقت اُن صحابہ کو جو "خاندانی قرب" کی حیثیت رکھتے تھے اُس منصب کا عطا کیا جانا زید بن حارثہ کو بہت شاق گذرا تھا مگر رسولؐ نے اسلامی اقدار عزّت و کرامت کا عملی تحفظ فرماتے ہوئے اس مخالفانہ جذبہ کی کوئی ہمت افزائی نہیں فرمائی اور اپنے فیصلہ پر قائم رہے۔

پھر اگر زید قتل ہو جائیں تو جناب جعفر بن ابی طالبؑ کو جو کچھ ہی روز قبل ملک حبش سے واپس ہوئے تھے سرداری کے لئے نامزد فرمایا تھا اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ۔ آپ نے فرمایا کہ جو بن پڑے اُس وقت وہ کرنا۔ عام شہرت مؤرخین میں یہی ہے مگر ہمارے یہاں ابان بن عثمان کی روایت میں جو امام جعفر صادقؑ سے وارد ہوئی ہے یہ ہے کہ آپ نے پہلا درجہ جناب جعفر کو قرار دیا تھا اور جب وہ شہید ہو جائیں تو زید اور پھر عبداللہ بن رواحہ[1]

ان دونوں سے الگ بعض سنی مؤرخین نے جناب جعفر کو سب سے آخر میں ڈال دیا ہے[2]

شرحبیل خود تو کوئی چیز نہ تھا، اُس کے لئے تین ہزار بہت تھی مگر اُس کے پس پشت پوری سلطنت روم کی طاقت تھی۔ اس بنا پر

---

[1] اعلام الوریٰ للطبرسی
[2] تاریخ الاسلام للدکتور حسن ابراہیم حسن ج ۱ ص ۳۳ الطبعۃ الاولیٰ ص ۱۸۶

وہ اُن کا باجگزار تھا چنانچہ اُس نے مسلمانوں کے اقدام کی اطلاع پاتے ہی سلطنت روم سے مدد کی درخواست کی جو منظور کی گئی اور اُدھر سے ایک لاکھ کی فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بھیج دی گئی جس کے سامنے یہ تین ہزار فوج گویا مٹھی بھر آدمیوں کی ایک جماعت بن گئی۔

ایک مغربی مستشرق نے جس کا نام عربی تلفظ کے لحاظ سے "حبان با ت غلوب" ہے اپنی کتاب میں جسے ایک عراقی صاحب قلم فخری حمادی نے "الفتوحات العربیۃ الکبریٰ" کے نام سے عربی کی طرف منتقل کیا ہے اور وہ بغداد سے شایع ہوئی ہے، لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے جواب تک ہمیشہ خداوندی امداد پر بھروسہ کرتے رہے تھے، کوئی حادی نظام قائم نہیں کیا تھا جو دشمنوں کی نقل و حرکت کی اطلاع دیتا رہتا اس لیے انھیں دشمنوں کی اُس عظیم فوجی تیاری کی جو وہ سرزمین بلقاء میں کر رہے تھے، اُس وقت تک خبر نہ ہوئی جب تک کہ وہ جو موتان تک نہیں پہنچ گئے اور تب سالار فوج نے اُنھیں رکنے کا حکم دیا اور دوران مسلمان سرداروں میں اس نئی صورت حال کے بارے میں بحث و مباحثہ میں گزرے

(صفحہ ۱۲۶)

جنگ یا قربانی؟

تین ہزار کا مقابلہ یک لاکھ کی فوج سے آج تک کے معیار کے لحاظ سے منفرد نوعیت رکھتا تھا اور وہ بھی غیر متوقع طور پر کیونکہ ذہن میں بس

شراحبیل غسانی کی عسکری طاقت تھی جس کے لئے مسلمانوں کی تین ہزار کی فوج کافی تھی۔ یہ تصور ہی نہ تھا کہ شہنشاہ روم ہرقل کا مقابلہ پڑ جائے گا۔

ایک روایت تو یہ ہے کہ وہ خود فوج کے ساتھ موجود تھا اور اس میں ایک لاکھ خاص رومی تھے اور ایک لاکھ اس کی عرب رعایا کے آدمی تھے جو متعدد قبائل کے تھے اور عیسائی ہو چکے تھے۔ اس طرح دو لاکھ کی فوج کا مقابلہ تھا۔[۱]

مسلمانوں کو اس صورت حال کا علم ہوا تو انھوں نے معان میں دو دن تک توقف کیا اور طریق کار کے متعلق تبادلۂ خیال کرتے رہے۔

کہا جاتا ہے کہ جناب زید بن حارثہ جماعت کا دل لینے کے لئے یا کسی اور نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم ابھی مقابلہ پر نہ آئیں اور رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیش آمدہ صورت حال کی اطلاع دیں، پھر جو ہدایت ہو اس پر عمل کریں مگر عبداللہ بن رواحہ نے ہمت سے بھری ہوئی تقریر کے ساتھ اختلاف کیا اور کہا ہم نے کبھی دشمن کا مقابلہ تعداد لشکر کے بھروسے پر نہیں کیا ہے بلکہ اس دین کی قوت پر کیا ہے جس کے ساتھ خدا نے ہمیں سرفراز کیا ہے۔ پس اگر ہم دشمن پر غالب نہ بھی آسکے، تب بھی شہادت کا مرتبہ تو حاصل ہو ہی گا جو ہمارا نصب العین رہا ہے۔ بہرحال مجمع ان کا ہم آواز ہو گیا اور اس طرح وہ تجویز مسترد ہو گئی اور اسی موجودہ تعداد کے ساتھ اس فوجی سیلاب کے مقابلہ پر آنا طے کر لیا گیا۔

۱؎ تاریخ طبری ص۱۶۱۱، الدرر فی اختصار المغازی والسیر لابن عبدالبر مطبوعہ ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء ص۲۲۰

بعضوں نے اسے تفصیل کے ساتھ درج نہیں کیا ہے۔ انھوں نے صرف یہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن رواحہ نے ہی مسلمانوں کی جماعت کو جو تین ہزار تھی مقابل کی دو لاکھ فوج سے جنگ کو آمادہ کیا تھا[1]

چنانچہ موتہ کے میدان میں جسے ہم موت کی وادی کہہ سکتے ہیں، سب آ گئے اور اس جمیع قلیل کو بطور لشکر مرتب کیا گیا۔

مشہور ترتیب کے مطابق سب سے پہلے جناب زید بن حارثہؓ نے علم لشکر لیا اور بڑی بہادری سے مقابلہ کر کے راہ حق میں جان کی قربانی پیش کی۔ پھر جناب جعفر بن ابی طالبؑ کی باری آئی، آپ نے سخت جنگ کی۔ یہاں تک کہ شہادت سے اپنے سرخ رنگ کے گھوڑے سے کود پڑے اور اس کے پاؤں قطع کر دیئے۔ تاریخ لکھتی ہے کہ مسلمانوں میں وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے جنگ میں اپنے گھوڑے کو پے کیا[2]۔ پھر پیادہ یا فوج کے اندر گھس گئے یہاں تک کہ آپ کا لڑتے لڑتے داہنا ہاتھ قطع ہو گیا تو آپ نے علم کو بائیں ہاتھ سے سنبھال لیا۔ یہ ہاتھ بھی قطع ہو گیا تو علم کو سینہ سے لگا لیا اور اسی عالم میں دنیا سے سدھارے۔ ان کی عمر ۳۳ یا ۴۱ سال تھی[4]

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ آپ کے جسم پر ۵۰ زخم لگے جن میں سے ۳۰ صرف چہرے پر تھے[5]

---

[1] وقیعۃ الاسلام صفحہ ۱۳۰ [2] تاریخ طبری صفحہ ۱۶۱۲

[3] تاریخ ابن خلدون ج ۲ مطبوعہ بیروت ۱۹۵۶ء صفحہ ۸۰۰

[4] الفرائد الاعز عبدالبر صفحہ ۲۳۳ [5] اعلام الوریٰ

اہل سنت کے یہاں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ اُن کے جسم پر تیروں اور تلواروں کے نوے سے کچھ اوپر زخم لگے تھے جن میں سے کوئی پشت کی طرف نہ تھا[1]

ابن سعد نے لکھا ہے کہ ایک رومی نے اُن پر ایسی ضرب لگائی کہ جسم دو ٹکڑے ہو گیا۔ اُن میں سے ایک ٹکڑے کے زخموں کا شمار کیا گیا تو ۳۰ سے زیادہ زخم تھے اور ایک قول یہ ہے کہ مجموعی طور سے جسم پر تیروں اور تلواروں کے بہتر زخم تھے[2]

اب رسول کے نامزد کردہ صرف ایک سردار عبداللہ بن رواحہ باقی تھے۔ انھوں نے بھی اپنے پیش رووں کی پیروی کی اور وہ بھی درجۂ شہادت پر فائز ہوئے

ان کے علاوہ بھی کچھ سپاہی فوج اسلام کے شہید ہوئے جن کے نام ابن عبدالبر نے درج کئے ہیں[3]

ذہبی کا بیان ہے کہ یہ شہید ہونے والے ۸ آدمی تھے[4]

خالد بن ولید کا کارنامہ

اب رسول کا مقرر کیا ہوا کوئی علمدار یا سردار باقی نہیں رہ گیا تھا تاریخ بتاتی ہے کہ اس وقت ایک غیر معروف شخص نے علم ہاتھ میں اٹھا لیا اور مسلمان جماعت سے مخاطب ہو کر کہ اب تم کسی کو منتخب کر کے یہ ذمہ داری

---

[1] و اسلاف ص ۱۳۹ ، [2] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۲۹ ، [3] استیعاب ص ۲۲ ، [4] العبر ج ۱ ص ۹

سپرد کردو۔ اس پر انہ خود یا دوسروں کے کہنے سے خالد بن ولید نے فوج کی کمان ہاتھ میں لی اور باقی ماندہ اسلامی فوج کو زندہ بچا لے جانے کا منصوبہ ذہن میں بنا کر اس طرح جنگ شروع کی کہ تھوڑا تھوڑا پیچھے ہٹ ہٹ کر دشمنوں کے مورچہ سے علیحدہ ہوتے گئے اور بالآخر موقع پا کر اپنی جماعت کو واپس لے گئے۔ طبری کے الفاظ یہ ہیں :-

دافع القوم وحاشی بھم ثم انحاز وانحیز عنھم حتی انصرف بالناس [۱]

فوج مخالف سے مقابلہ شروع کیا اور انہیں الجھائے رکھا پھر ہٹا اور ان سے کنارہ کش ہوئے۔ یہاں تک کہ تمام لوگوں کو واپس لے گئے۔

ابن خلدون کے الفاظ مختصر ہیں :-

فانحاز بالمسلمین [۲]

وہ مسلمانوں کو لے کر (اس فوج سے) الگ ہو گئے۔

یہی الفاظ بالکل ابن عبدالبر کے ہیں [۳]۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو جنھوں نے زید بن حارثہ کے مناسب مشورہ کو قبول نہ کرتے ہوئے میدان میں مرجانے کا عزم ظاہر کیا تھا اب سمجھانے میں کامیاب ہو گئے کہ اب مقابلہ سے کوئی فائدہ نہیں ہے لہٰذا واپس جانا چاہیئے چنانچہ یہ لوگ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور غنیمت ہے کہ روم کے لشکر نے تعاقب نہیں کیا مگر ان سب سے قدیم تر مؤرخ ابن سعد نے ایک راوی

---

[۱] تاریخ الامم والملوک ص۱۶۱۶ [۲] تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص۸۰۱

[۳] الدرر ص۲۳۳

کی آنکھوں دیکھی کیفیت جو درج کی ہے وہ یہ ہے کہ :-

فأخذ اللواء فانكشف الناس وكانت الهزيمة فتبعهم المشركون يقتل من قتل من المسلمين۔[1]

خالد نے علم لشکر لیا تو مسلمان میدان سے ہٹ گئے۔ اس طرح شکست ہو گئی تو مشرکوں نے ان کا پیچھا کیا اور بہت سے مسلمان قتل ہوئے۔

یورپین مستشرق "جان باجوت غلوب" نے اپنی کتاب میں جس کے عربی ترجمہ کا نام "الفتوحات العربیة الکبریٰ" ہے اور جسے مکتبہ المثنیٰ بغداد نے شائع کیا ہے اپنی مادی ذہنیت کے ماتحت خالد بن الولید کے کارنامے کو اس طرح لکھا ہے :-

كان خالد بن الوليد وقد دخل أخيراً الإسلام يقاتل بين المسلمين وكان أكثر خبرة في القيادة العسكرية من زيد وجعفر وقد يكون أقل تشوقاً منهما الى الجنة وعندما تولى القيادة في هذه اللحظة من الانكسار فانه استطاع بشخصيته القوية

خالد بن ولید جو آخر میں مسلمان ہو گئے تھے مسلمانوں کی فوج میں جنگ کر رہے تھے اور فوجی قیادت کے اصول سے زید اور جعفر سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے اور کہا جا سکتا ہے کہ جنت پر جانے کا شوق ان لوگوں سے کم رکھتے تھے۔ انھوں نے جب شکست کے اس لمحہ میں قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی تو وہ اس امر میں کامیاب ہو گئے کہ اپنی طاقتور بلند کردار شخصیت سے باقی ماندہ مسلمانوں پر چھا جائیں اور

۱؎ الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۲۹

الى سرة على من بقى من المسلمين
وثبت احد الانصار الراية
فى الارض فالتف حولها
المسلمون واخذ خالد تياء
جزيهم قليلا مع الاحتفاظ
بالنظام حتى انسحب
من الميدان دون ان يلحق
به الروم الذين كانوا قد
اجهدوا كل الاجهاد (ص ٩٠)

میں سے ایک نے علم کو زمین میں گاڑ دیا اور
یہ تمام مسلمان اُسکے گرد سمٹ آئے اور خالد
اُنھیں لیکر ذرا ذرا سا پیچھے ہٹتے رہے نظم و
جمعیت کو قائم رکھتے ہوئے یہاں تک کہ وہ
میدان جنگ سے باہر نکل آئے اور رومی لوگ
چونکہ جنگ میں تھک بہت چکے تھے اسلئے
اُنھوں نے ان کا پیچھا کرنے کی کوشش
نہیں کی۔

حاشیہ پر لکھا ہے :-

تقول احدى الروايات
العربية ان الروم لم يلحقوا
بجيش المسلمين لانهم
ظنوا ان خالدا يخدعهم
حتى يرمى بهم الى الصحراء

عربوں کی ایک روایت کہتی ہے کہ رومی لوگ
اسلئے تعاقب کر کے مسلمانوں کے لشکر تک نہیں
پہونچے کہ اُنھوں نے خیال کیا کہ خالد اُنھیں
دھوکہ دیکر لے جانا چاہتے ہیں تاکہ اُنھیں
ریگستان میں ڈال دیں۔

اب ملاحظہ ہو کہ جناب خالد بن ولید کے اس کارنامہ کو اُس وقت کے
دوسرے مسلمانوں نے کس نظر سے دیکھا تھا؟ وہ تاریخ کے اس واقعہ سے ظاہر ہے
کہ جب یہ شکست خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہونچی تو مسلمان بجائے استقبال
کے گویا "واپس جاؤ" کے نعرے لگاتے ہوئے شہر سے نکلے اور عالم یہ تھا کہ
لوگ اُن کے چہروں پر خاک ڈالتے تھے کہ اے فراریو! تم خدا کی

راہ سے بھاگ آئے[1]۔

مسلمانوں کے یہ جذبات وقتی ہی نہ تھے بلکہ طبری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیفیت مستقل طور پر عرصہ تک قائم رہی۔ یہاں تک کہ ان اشخاص نے جو اس واپس شدہ جماعت میں داخل تھے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا چنانچہ ان میں سے ان کی بیوی ام المومنین جناب ام سلمہ رضوان اللہ علیہا کے پاس آئیں تو جناب ام سلمہؓ نے فرمایا کہ کیا بات ہے۔ سلمہؓ پیغمبر خدا کے ساتھ نماز جماعت میں شریک ہونے کے لئے مسجد میں نہیں آتے تو اس خاتون نے کہا:۔

واللہ ما یستطیع ان یخرج	خدا کی قسم وہ گھر سے نکل نہیں سکتے۔ ادھر نکلے
کلما خرج صاح الناس	اور لوگ چیخنے لگتے ہیں۔ ارے! تم لوگوں نے راہ
افررتم فی سبیل اللہ حتی	خدا سے فرار اختیار کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ خانہ نشین
قعد فی بیتہ فما یخرج[2]	ہو گئے ہیں اور گھر سے نکلنا موقوف کر دیا ہے۔

اب یہ عالم کی نیرنگی ہے کہ عام افراد بیچارے اس جماعت میں شامل تھے خانہ نشین ہونے پر مجبور ہو جائیں اور جو اس جماعت کا سرگروہ اور اس واپسی کا اصل ذمہ دار ہو وہ کچھ مریدان باختصاص کی "می پرانند" والی کامیاب کوشش سے اس اپنے کارنامہ پر "سیف اللہ" کا مصداق بن جائے جسے تاریخ ساز راویوں نے خود رسولخداؐ کی طرف نسبت دیدی کہ آپ نے عین اس معرکہ میں خالد کو دعائے خیر سے نوازتے ہوئے اس خطاب سے سرفراز فرمایا لیکن اگر اس نقل کی کچھ بھی اصل ہوتی تو آخر بروقت اس جماعت کے بارے میں مسلمانوں کے وہ جذبات

---

(۱) تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۱۲۹ طبری ص ۱۶۱۸ (۲) طبری ص ۱۶۱۸

کیوں ہوتے اور کیوں گم رہتے جو صفحۂ تاریخ پر درج ہیں۔

مگر واقعیت کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کچھ مورخین اسے "فتح" سے تعبیر کرتے ہیں اور اُسے خالد بن الولید کا کارنامہ سمجھتے ہیں، جیسے ذہبی جنھوں نے تمام تفصیلات کو نظر انداز کر کے مجملاً نتیجۂ جنگ اس طرح لکھا ہے کہ:

اخذ الرّایۃ خالد بن الولید من غیر امرۃ فجال لیاً واستنظہر علی المشرکین و تحیز بالمسلمین وھی اوّل مشاھدہ فی الاسلام[۱]

خالد بن ولید نے بغیر امیر ہونے کی حیثیت کے علم لے لیا تو اُسے چکر دیا اور مشرکوں کے مقابلہ میں غلبہ حاصل کیا اور مسلمانوں کو میدان سے علیحدہ کر لیا اور یہ اسلام میں سب سے پہلا اُن کا کارنامہ تھا۔

اور لاہور کے مسٹر کے، اے حمید کہ جنھوں نے تاریخ تو لکھی نہیں، بلکہ تاریخ تراشی کر کے ایک یہ کمال دکھایا ہے کہ جنگ موتہ کا حال خیبر کے پہلے لکھ ڈالا ہے اور پھر روئداد جنگ اس طرح لکھی ہے:

"ایک لاکھ فوج لے کر حاکم موتہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ زید بن حارثہ مسلمانوں کے سپہ سالار تھے جو لڑائی کے کام آئے۔ اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ کا تقرر عمل میں آیا مگر وہ بھی شہید ہو گئے .... پے در پے تین سپہ سالار جنگ میں شہید ہو گئے"

یہاں تو صرف اتنا ہے کہ جناب جعفر کا نام نہیں لیا گیا ہے مگر اتنا ہی نہیں بلکہ پھر جنگ خیبر کے بعد انھوں نے جناب جعفر کی حبشہ سے واپسی کا حال درج کیا ہے

---

[۱] العبر ص۹

maablib.com

کہ "سرکار ابھی خیبر ہی میں مقیم تھے کہ حبش سے حضرت جعفر بن ابیطالب آپہونچے"
سمجھئے! اب تو بات صاف ہو گئی کہ جنگ موتہ میں جناب جعفر کی کوئی
شرکت اُن کے نزدیک نہیں ہے۔ اس کے برخلاف خالد بن الولید کے کارنامہ
کے تحریر کرنے کی جب باری آئی تو پھر زورِ قلم ملاحظہ ہو :-

"تین سپہ سالار جنگ میں شہید ہوئے۔ خالد بن ولید کے سوا کوئی
ایسا شخص نظر نہ آتا تھا جو اس کام کو سنبھال سکے۔ خالد نے اپنے تقرر کے
بعد فوج کو دستوں میں تقسیم کیا۔ ہر دستے کا ایک سردار مقرر کیا اور فوج کو
ترتیب دے کر اس شان سے حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عیسائیوں کو
شکست فاش ہوئی۔ خالد سیاز کی نو تلواریں اس معرکے میں ٹوٹیں۔
رسول خداؐ نے فتح کی خوشی میں سپہ سالار کو "سیف اللہ" کا خطاب عطا
فرمایا[1]۔

اب یہ فیصلہ کیجئے کہ حقیقت پسندی کی اسے تھپکی لگانا چاہئیں، یا
ماتم کرنا چاہیئے؟

---

[1] تاریخ مسلمانان عالم ج ۱ ص ۸۳

مشرکین کی بدعہدی اور بنائے مخاصمت

صلح حدیبیہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل مکہ کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا، اُس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ قبائل عرب میں سے جو چاہے وہ پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ حلیف ہو جائے یعنی اُن کے ساتھ ساتھی ہونے کا معاہدہ کرے اور قبیلہ چاہے، وہ مشرکین قریش کے ساتھ ہو جائے۔ اس دفعہ کی بنا پر عرب کے دوؔ قبیلے خزاعہ اور بکر دونوں طرف تقسیم ہو گئے، اس طرح کہ خزاعہ نے پیغمبر خداؐ کے ساتھ ہونا پسند کیا اور وہ آپ کے حلیف ہوئے اور بنی بکر نے قریش مکہ کے ساتھ ہونا پسند کیا اور وہ اُدھر ہو گئے ان دونوں قبیلوں میں مدتوں سے آپس میں جنگ ہوتی رہتی تھی، اس لئے یہ لوگ ہمیشہ مسلح رہا کرتے تھے۔ اور ایک دوسرے کے مقابلہ کے لئے تیار لیکن اب مرکزی طاقتیں جو دوؔ قرار پا گئی تھیں یعنی مسلمان اور مشرکین قریش اور ان میں حدیبیہ کی مصالحت سے دسؔ سال کے لئے عدم جنگ کا معاہدہ ہو گیا تھا، اس لئے قبیلۂ خزاعہ نے مطمئن ہو کر اب ہتھیار کھول دیئے اور ایک سال اس طرح پُرامن طریقہ پر گذر گیا، یہاں تک کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب اُس معاہدہ کے مطابق اُس عمرہ کو بھی انجام دے چکے جسے پہلی دفعہ ترک کر کے صلح حدیبیہ کی بنا پر واپس ہوئے تھے۔ مشرکین نے بھی حسب معاہدہ تین دن کے لئے مکہ کو خالی کر دیا۔ اور کوئی تعرض نہ کیا جس کا تذکرہ اس کے قبل ہو چکا ہے۔

اس سے قبیلہ خزاعہ والے اور بھی زیادہ مطمئن اور اپنے حریف کی طرف سے غافل ہوگئے مگر اُن کی اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر اسی ۸ھ میں جبکہ موتہ کے واقعہ کو جمادی الثانی اور رجب کے دو ۲ مہینے گذارے تھے کہ بنی بکر میں کے ایک گروہ نے ایک ایسے خون کا بدلہ لینے کے بہانہ سے جو زمانہ جاہلیت میں ہوا تھا اور جس کے لئے اسلام میں یہ اصول قائم ہو چکا تھا کہ اسلام لانے کے بعد، قبل اسلام جو کچھ ہوا ہو، وہ سب نظر انداز ہوگا اور اُس کے بدلا لینے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، اُن پر اچانک جبکہ وہ ایک چشمہ کے کنارے مقیم تھے، حملہ کر کے قتل عام کر دیا۔

مسٹر کے۔ اے حمید نے نہ معلوم کہاں سے یہ لکھ دیا ہے کہ

"سرکار کے حج سے لوٹ جانے کے کچھ عرصہ کے بعد، بنو خزاعہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ بنو بکر نے ان پر حملہ کر دیا۔ قریش نے اسلحہ اور آدمیوں سے ان کی امداد کی اور بد عہدی کے مرتکب ہوئے۔ ان کو کعبۃ اللہ میں پناہ بھی نہ ملی اور بے دریغ قتل کئے گئے[۱]"

ہمارے پیش نظر مورخین نے یہ لکھا ہے کہ حملہ ہونے کے بعد اپنی جان بچانے کے لئے مکہ کے اندر آ کر انھوں نے حرم کعبہ میں پناہ لی تھی۔ یہاں پناہ لینے کے بعد دوسرے لوگوں نے حملہ آوروں کو نصیحت بھی کی کہ اب حرمت کعبہ کو برباد نہ کرو اور خونریزی ختم کرو مگر پھر بھی حملہ آوروں

---

۱ طبری ص ۱۶۱۸ کامل ابن اثیر بیروت ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء ج ۲ ص ۲۳۹

۲ تاریخ مسلمانان عالم حصہ اول ص ۸۵

نے خزاعہ کے ایک آدمی کو جس کا نام منبہ تھا قتل کر ہی دیا جس کے بعد یہ لوگ شہر کے مختلف مکانوں میں جا جا کر مخفی ہو گئے اور اس طرح اپنی جان بچائی تھی۔

چند آدمیوں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی اور مدینہ پہونچ کر سرکار سے فریاد کی اور معاہدہ کے مطابق امداد کے طالب ہوئے۔

علامہ طبرسی رحمۃ اللہ نے اس باہمی تصادم کا ایک خاص پس منظر بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قبیلہ خزاعہ رسولؐ کی طرف تھا اور بنی کنانہ قریش کے حلیف تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ کنانہ کا ایک آدمی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کے اشعار پڑھ رہا تھا۔ خزاعہ والے آدمی نے منع کیا۔ وہ نہ مانا اور اسی پر دونوں قبیلوں کا ٹکراؤ ہو گیا۔[۲]

کچھ آدمی بنی خزاعہ کے زندہ بچ نکلے جن میں سے چالیس آدمی عمرو بن سالم کی سرکردگی میں[۳] حضرت پیغمبر خدا کے پاس فریادی کی حیثیت سے گئے اور مسجد میں اُس وقت پہونچے جب حضرتؐ نماز صبح سے فارغ ہوئے تھے اور ابھی تعقیبات ختم کر کے بیت الشرف کی طرف مراجعت نہیں فرمائی تھی۔ عمرو نے پہونچتے ہی یہ شعر پڑھنا شروع کر دیے جن میں مخالف قبیلہ کی بد عہدی اور اپنی تباہی کا مؤثر انداز میں اظہار کیا۔ انہیں کا پہلا شعر یہ تھا:

لاھم انی ناشد محمدا   حلف ابنیا وابیہ الا تلدا

---

[۱] بدمن ج ۲ ص ۲۳۹ الدرر فی اختصار المغازی والسیر ص ۲۰۳

[۲] علام الوری مطبوعہ مطبع حیدری تہران ۱۳۳۸ھ ص ۱۱۲

[۳] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۴

اور چھٹا شعر ہے

ان قریشا اخلفوک الموعدا ۔۔۔ ونقضوا میثاقک المؤکدا

آخر میں ہے

ھم بیتونا بالوتیر ھجدا ۔۔۔ فقتلونا رکعا و سجدا [۱]

"پروردگار میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کو واسطہ دیتا ہوں اپنے اور اُن کے درمیان والے پرانے معاہدہ کا۔ حقیقت امر یہ ہے کہ قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی اور جو پختہ عہد و پیمان آپ کے ساتھ تھا اسے توڑ دیا اور وہیں قتل کر دیا۔ اس حالت میں کہ ہم رکوع و سجود میں مصروف تھے۔ (یعنی جنگ کا کوئی تصور نہیں رکھتے تھے)۔"

حضرت نے استغاثہ سن کر بے تاب ہو گئے اور فرمایا:۔

حسبک یا عمرو ۔۔۔ "بس اے عمرو کافی ہے" [۲]

دوسری روایت یہ ہے کہ استغاثہ سنتے ہی آپ کی زبان سے جو جملہ نکلا، وہ یہ تھا کہ:

قد نُصِرتَ یا عمرو بن سالم ۔۔۔ بس تمھاری مدد ہوگی اے عمرو بن سالم [۳]

پھر بھی اتمام حجت کئے بغیر آپ نے حملہ نہیں فرمایا بلکہ اپنا نمائندہ کفار قریش کے پاس بھیجا اور اُنھیں لکھا کہ میری ان تین شرطوں میں سے کسی ایک کو منظور کر لو:۔

۱۔ بنی خزاعہ کے مقتولوں کا خوں بہا دو۔

۱؎ تاریخ طبری ص۱۶۲۳-۱۶۲۴ ۲؎ اعلام الوری ص۱۱۲ ۳؎ طبری ص۱۶۲۳

۲۔ بنو بکر کی حمایت سے ہاتھ اُٹھا لو۔

۳۔ اعلان کر دو کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

کفارِ مکہ نے تیسری شرط مان لی مگر بعد میں وہ اپنے کئے پر پچھتائے اور دونوں نے ابوسفیان کو تجدید معاہدۂ حدیبیہ کے لئے دربارِ رسالت میں بھیجا۔[۱]

طبری اور دوسری تاریخوں سے جو میرے سامنے ہیں، اس درمیانی کڑی یعنی اپنے نمائندہ بھیج کر ان شرطوں کے پیش کرنے اور اُن کے تیسری شرط کو ماننے کا پتہ نہیں چلتا بلکہ بنی بکر کے حملہ آور ہونے پر اُن کی مدد کرنے سے اُنھیں خود یہ احساس ہوا کہ جو معاہدہ ہوا تھا، ہم نے اُسے توڑ دیا۔ اسی پر وہ پشیمان ہوئے اور انھوں نے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ وہ معاہدے کی تجدید کی کوشش کرے[۲]۔

چونکہ ابوسفیان کی بیٹی جناب ام حبیبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آ چکی تھیں۔ اب ابوسفیان جو مدینہ سے آیا تو سیدھا اپنی بیٹی ام حبیبہ کے یہاں گیا۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ مہم میں اُس کی مددگار ثابت ہو گی مگر وہاں معاملہ بالکل دگرگوں دکھائی دیا کہ اُس نے جو بستر پر بیٹھنا چاہا تو ام حبیبہ نے بستر سمیٹ لیا اور کہا یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر ہے اور آپ مشرک ہونے کی وجہ سے نجس ہیں۔ اس لئے اس بستر پر نہیں بیٹھ سکتے[۳]۔

۱۔ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ جلد اول ص ۱۶۵

۲۔ الدار ص ۱۱۷ طبری ص ۱۶۲۳ المختصر فی اخبار البشر لابی الفداء طبع مصر ج ۱ ص ۱۴۳

۳۔ ابو الفداء ج ۱ ص ۱۴۳ الدار ص ۲۲۵ - ۲۲۶

اس کے بعد ظاہر ہے کہ جناب ام حبیبہ سے کسی تعاون کی امید باقی نہیں رہی اور وہ اپنا سا منھ لے کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔

اس واقعہ سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ مشرکین کی نجاست کا مسئلہ جو اب مسلمانوں کی ایک اقلیت کے یہاں کا مسئلہ سمجھا جاتا ہے، شروع میں مسائل اسلام سے واقف تمام افراد، یہاں تک کہ پیغمبر خداؐ کے گھر میں رہنے والی عورتوں تک کو معلوم ہو چکا تھا اور مسلّمہ حیثیت رکھتا تھا۔ مجبوراً اس نے صحابہ اور پھر اہلبیت علیہم السلام کو ذریعہ بنانا چاہا مگر انھوں نے اس سلسلہ میں کسی امداد کی امید نہ دلائی جس کے بعد وہ ناکام و نامراد مکہ کی طرف واپس گیا۔

عزم روانگی اور بعض صحابہ کی مخبری

حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ کی طرف روانگی کا عزم کر لیا مگر آپ چاہتے یہ تھے کہ مکہ میں اچانک پہونچیں۔ قبل سے مشرکین کو اس کا علم نہ ہو مگر اس کو کیا کیا جائے کہ رسولؐ کے اس منصوبہ کے خلاف اہل بدر والے معزز طبقۂ صحابہ میں سے ایک بزرگوار حاطب بن بلتعہ نے ابولہب کی لونڈی سارہ[1] کے ہاتھ ایک خط قریش کی طرف روانہ کر دیا کہ رسول خداؐ فلاں دن، فلاں وقت، فلاں راستے سے تمھاری طرف روانہ ہو رہے ہیں اور وہ عورت عام راستے کو چھوڑ کر مکہ کی طرف روانہ ہوئی۔ قدرت کی جانب سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ اور جناب مقدادؓ اور اپنے حضرت

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۲

علیؑ کے ساتھ زبیرؓ اور مقداد تینوں آدمیوں کو مامور فرمایا کہ جاؤ اور اس سے خط برآمد کر دو۔ یہ لوگ روانہ ہوئے اور اُس سمت میں چلے جس طرف جانے کی رسول خداؐ نے ہدایت فرمائی۔ ادھر کے ناکے پر پیغمبر خداؐ کی جانب سے حارث بن نعمان کچھ نگہبانوں کے ساتھ پہرے پر متعین تھے مگر وہ عورت اتنی چالاکی سے نکلی تھی کہ ان پہرے داروں کو اس کی خبر نہ ہوئی تھی۔ رسولؐ کے فرستادہ افراد نے پہرہ داروں سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا ہم نے کسی کو ادھر جاتے نہیں دیکھا مگر ایک خارکش جو لکڑیاں بٹور رہا تھا اُس سے دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ میں نے ایک سیاہ فام عورت کو ادھر جاتے دیکھا ہے۔ اس پر تیز رفتاری سے اُدھر روانہ ہوئے اور اُسے راستے میں جا کر روک لیا اس نے قطعی انکار کیا اور تلاشی کے بعد بھی وہ خط برآمد نہیں ہوا مگر حضرت علی بن ابی طالبؑ کے سخت تیور جو اُس نے دیکھے تو اپنے بالوں کے جوڑے میں سے خط نکال کر پیش کر دیا اور اب اُسے تا رسول خداؐ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔[3]

آپ نے فوراً خاطب کو بلا کر اُن سے جواب طلب کیا۔ اُنھوں نے کہا یا رسول اللہ میں اللہ اور رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں۔ ذرا بھی شک و شبہ کا شائبہ نہیں ہے۔ مگر مکہ میں میرا کوئی قوم قبیلہ نہیں ہے اور میرے اہل و عیال وہاں موجود ہیں تو میں نے چاہا کہ میں وہاں کے باشندوں پر ایک احسان کر دوں کہ وہ وقت پر میرے اس احسان کو یاد رکھیں اور میری حفاظت کریں

۱ے بحار الانوار ج ۲۱ ص ۱۲۲ ۲ے الترار ص ۲۲۷ ۳ے الترار ص ۲۲۶

اگر رسولؐ کا فوجی سیاست پر عملدرآمد ہوتا تو ظاہر ہے کہ اس جرم کی کتنی سخت سزا ہوتی۔ یہ جواب ظاہر ہے کہ کوئی معقول عذر کی حیثیت نہیں رکھتا، کیونکہ جتنے منافق تھے سب ایسی ہی دنیوی مفادات کے تحفظ کی خاطر سیاست نفاق سے کام لیتے تھے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر اس پر تیار تھے کہ ان کی گردن مار دیں، وہ کہہ رہے تھے کہ واللہ اس نے نفاق اختیار کیا ہے[1] مگر رسول خداؐ نے منع فرمایا اور صرف اتنی سزا دی کہ فرمایا: اسے مسجد سے نکال دو۔[2] پُرجوش مسلمان اُسے دھکے دینے لگے اور دھکیل کر مسجد سے نکالنے لگے جب پر اُس نے ملتجانہ نگاہوں سے پھر رسولؐ کو دیکھا فرمایا اچھا واپس لے آؤ، فرمایا دیکھو اب کی تمھیں چھوڑے دیتا ہوں۔ آئندہ ایسی حرکت کبھی نہ کرنا[3]

مکّہ کی طرف روانگی

پیغمبر خداؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہم کے خلاف جو مخبری ہوئی تھی وہ حق کی طرف سے جب ناکام بنا دی گئی تو اب رسول خداؐ نے مزید تاخیر مناسب نہ سمجھی اور آپ ۷ روز چہارشنبہ ۱۰ ماہ رمضان ۸ھ کو مدینہ سے روانہ ہو گئے[4] جو یکم جنوری ۶۳۰ء کے مطابق قرار دی گئی ہے[5] لیکن عبدالباری صاحب ایم اے نے فتح مکہ کی تاریخ ۸ رمضان ۸ھ درج کر دی ہے[6] جو مذکورہ تاریخی بیان کے لحاظ سے

---

[1] ابو الفداء ج ۱ صفحہ ۱۴۲، و البدایہ صفحہ ۲۲۶ [2] اعلام الوریٰ صفحہ ۱۰۶ مطبوعہ حیدری تہران ۱۳۳۹ھ صفحہ ۱۱۳ [3] طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۱۳۵ البدایہ والنہایہ لابن کثیر طبع مصر ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء ج ۴ صفحہ ۲۸۵ [4] اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ ج ۱ صفحہ ۱۶۵ [5] دعوت دہلی سیرت طیبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ صفحہ ۱۸۶ "رسولؐ کی جنگی اسکیم"۔

غلط قرار پائی ہے بے شک ہمارے علما میں سے علامہ طبرسی نے لکھا ہے کہ :-

خرج رسول اللّٰہ یوم الجمعۃ حین صلی العصر مضیا من شھر رمضان[1] — حضرت پیغمبر خدا مدینہ سے برآمد ہوئے روز جمعہ نماز عصر پڑھنے کے بعد جب کہ ماہ رمضان کی دو[2] تاریخیں گذر چکی تھیں۔

اور مورخ ابن کثیر نے بھی بعض روایتیں اسکے موافق درج کی ہیں[3]۔
اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ فتح مکہ کی تاریخ ۸ رماہ رمضان صحیح ہو۔
حضرت کے ساتھ اس مہم میں دس ہزار مسلمان شریک تھے[4]۔

قصر صوم کا لزوم امام محمد باقرؑ نے بیان فرمایا کہ رسول خداؐ جب مدینہ سے روانہ ہوئے تو روزے سے تھے مگر جب مقام کراع الغمیم تک پہونچے تو آپ نے حکم دیا کہ سب لوگ روزہ کھول ڈالیں۔۔۔ خود حضرت نے بھی روزہ افطار فرمایا اور بہت سے لوگوں نے افطار کر لیا مگر کچھ لوگوں نے روزہ نہیں توڑا، حضرتؐ نے فرمایا کہ وہ گنہگار ہیں[5]۔
مورخین اہل سنت میں سے ابن کثیر دمشقی نے پہلے تو بس اتنا لکھا کہ

حتی اذا کان بالکدید بین عسفان وامج افطر — جب حضرت عسفان اور امج کے درمیان مقام کدید میں پہونچے تو روزہ کھول دیا۔

لیکن بعد میں صحیح مسلم کے حوالہ سے وہی فقرہ درج کیا ہے کہ جب معلوم ہوا کہ بعض لوگوں نے روزہ نہیں کھولا تو فرمایا :-

---

[1] اعلام الوری طبع تہران ۱۳۳۸ھ صفحہ ۱۱۴ [2] البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۲۸۵
[3] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۵
[4] اعلام الوری طبع جدید تہران ص ۱۱۴

اولئک العصاۃ [1] یہ لوگ گنہ گار ہیں

مگر جمہور اہل سنت چونکہ اب تک سفر میں روزہ کے قصر کو رخصت یعنی جائز ہا سے جارہے ہیں۔ عزیمت یعنی لازمی پابندی کے قائل نہیں ہیں، غالباً اس رجحان کی بنا پر ابن سعد نے مذکورہ بالا واقعہ میں بھی رسول خدا کی زبانی یہ اعلان کرادیا ہے کہ جس کا دل چاہے، روزہ کھول ڈالے اور جس کا دل چاہے روزہ قائم رکھے۔ [2]

مگر ظاہر ہے کہ صحاح ستہ کی حدیث تو رسول کے اس اعلان کرتے ہوئے کہ روزہ نہ کھولنے والے گنہگار ہیں ابن سعد کی یہ نقل کسی طرح صحیح نہیں قرار دی جاسکتی۔

ابوسفیان کا اسلام یا استسلام

پہلے مسٹر کے۔ ایے حمید بیرسٹر کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

"ابھی اہل مکہ تیاریوں میں مصروف تھے کہ سرکار دس ہزار فوج کے ساتھ مکہ کے قریب پہونچ کر خیمہ زن ہوئے۔ ابوسفیان رسول خداؐ سے ملنے کے لیے آرہے تھے کہ سرکار کے چچا حضرت عباس سے ملاقات ہوئی۔ استفسار کرنے پر حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ رسول خداؐ دس ہزار فوج کے ساتھ فوج کشی کے ارادہ سے تشریف لائے ہیں۔ ابوسفیان نے پوچھا تو اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ حضرت عباس نے جواب دیا کہ میرے خیال میں ہتھیار ڈال دو۔ ورنہ تمھاری خیر نہیں۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۸۶۔۲۸۷ [2] طبقات ج ۲ ص ۱۳۶

ابوسفیان حضرت عباس کے ہمراہ رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوگئے۔ وہاں سے ابوسفیان نے مکّہ مراجعت کی اور قریش کو یقین دلایا کہ فاتحِ عرب کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔ ۱؎

یاد رکھنا چاہیے کہ عربی میں ہتھیار ڈالنے کو "استسلام" کہتے ہیں۔ اب حضرت عباس کے مشورہ پر کہ "ہتھیار ڈال دو" جب ابوسفیان خدمت رسولؐ میں آئے تو جسے کہا جا رہا ہے "مشرف باسلام ہوئے" وہ اسلام ہے یا استسلام ہے؟ اس کا ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے اور اس حقیقت کو دانشگاف انداز میں حضرت علی بن ابی طالبؑ نے آلِ ابوسفیان کے بارے میں نمایاں کیا، ان الفاظ میں کہ :-

ما اسلموا ولکن استسلموا واسروا الکفر ۲؎

انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، بلکہ استسلام اختیار کیا تھا اور کفر کو دل میں چھپا لیا تھا۔

دوسرے مورخین نے بھی ابوسفیان کے مسلمان ہونے کو جناب عباس کی تحریک کا نتیجہ بتایا ہے اور یہ کہ وہی انہیں رسول اللہ صلعم کے پاس لائے اور انکی سفارش کی ۳؎

بخاری کی تصریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوسفیان اور اسکے ساتھی جب معلومات حاصل کرنے باہر نکلے تھے تو اتفاق سے لشکر اسلام کے پہرہ داروں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے اور رسولؐ کی خدمت میں حاضر کیے گئے۔ اس وقت ابوسفیان نے اسلام قبول کیا ۴؎۔

۱؎ تاریخِ مسلمانانِ عالم ج ۱ ص ۸۷ ۲؎ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۱۰۷

۳؎ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۵ ۴؎ صحیح بخاری ج ۳ ص ۴۹

ابن اثیر لکھتے ہیں کہ رسولؐ کی خدمت میں آنے کے بعد بھی وہ آپکی رسالت کی گواہی پر تیار نہ تھے مگر جناب عباس کے متنبہ کرنے پر کہ گواہی نہ دوگے تو پھر جان کی خیر نہیں، مجبوراً حضرتؐ کی رسالت کی گواہی بھی دی لے

بلکہ جیسا کہ اسکے بعد بیان ہوگا جب جناب عباس ابوسفیان کو لیکر فوج اسلام کے آگے بڑھنے کے وقت ایک بلندی پر کھڑے ہوگئے اور سامنے فوج کے دستے گزرے تو باوجودیکہ ابوسفیان اس سے پہلے توحید اور رسالت کا اقرار کرچکا تھا، پھر بھی اس وقت اُس نے فوج اسلام کی شان وشوکت دیکھ کر عباس سے کہا کہ تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو بہت بڑی ہوگئی ہے۔ جناب عباسؓ نے ٹوکا اور کہا یا اباسفیان اتنا "اسے وہ نبوت ہے"۔ تو اُس نے کہا، "اچھا یوں ہی سہی"۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ دل سے اُس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ بس حالات کے دباؤ سے اظہار اسلام کررہا تھا۔

اس صورت حال پر تبصرہ "شہید انسانیت" میں مختلف جگہ ایسے مکمل انداز سے ہوگیا ہے کہ جناب پروفیسر خواجہ محمد لطیف صاحب انصاری بھی اُسی کو الگ مقامات سے مرتب کرکے درج کرنے پر مجبور ہوئے ہیں اور اُسی کو ہم اب اُن کے یہاں سے ذیل میں درج کررہے ہیں تاکہ اس کتاب میں یہ جزو تشنہ نہ رہے:۔

جب ابوسفیان حضرت عباس کو لیکر دربار رسالت میں حاضر ہوا تو اس وقت کی تصویر کشی علامہ شبلی نے اس طرح کی ہے:۔

لے کامل ج ۲ طبع بیروت ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء ص ۲۴۵

ابوسفیان کے پچھلے تمام کارنامے سب کے سامنے تھے اور ایک ایک چیز اُس کے قتل کی دعویدار تھی۔ اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرت کے خفیہ قتل کرنے کی سازش، ان میں سے ہر چیز اُس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو نبی) تھی۔ اس نے ابوسفیان کے کان میں آہستہ سے کہا کہ خوف کا مقام نہیں چنانچہ عباس نے سفارش کی اور ابوسفیان نے اسلام قبول کیا۔

(سیر قطبی جلد ۱ صفحہ ۲۷۲)

اس واقعہ سے ہر انسان یہ بات سوچنے پر مجبور ہے کہ فوج کی ہیبت سے آدمی سر جھکا سکتا ہے، ہاتھ روک سکتا ہے، ہتھیار ڈال سکتا ہے، زبان بند کر سکتا ہے بلکہ اپنا گلا تک کاٹ سکتا ہے مگر اپنے دل میں تبدیلی نہیں پیدا کر سکتا۔ اپنے قلب میں یقین کی صفت پیدا نہیں کر سکتا اور اپنی نفرت کو محبت میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ وہ نفرت اور دشمنی جو اُن حدود تک پہونچ چکی تھی جن کا مظاہرہ گزشتہ واقعات سے ہو چکا۔ کیا فوجی مظاہرے کے اثر سے دشمنی محبت و عقیدت سے تبدیل ہو سکتی تھی۔ اس سے عام فطرت کے مطابق کیا سمجھا جا سکتا ہے؟ صرف اتنا کہ وہ دشمن، جو پھنکارے مارتے ہوئے اژدہے کی طرح سامنے موجود تھا، اب مار آستین بن کر خفیہ ریشہ دوانیوں کے لئے آزاد ہو گیا اور کوئی شبہ نہیں کہ دشمن کی یہ صورت اُس صورت سے زیادہ خطرناک ہے جبکہ وہ خنجر بکف گلا کاٹنے کے لئے سامنے کھڑا ہو۔

اس طرح کے لوگ جو غلبہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے تھے، ان کی نفسیاتی کیفیت وہی تھی جو ہر دبی ہوئی اور شکست خوردہ قوم کی ہوتی ہے یعنی

نفرت، دشمنی، غصہ، جذبۂ انتقام اور اس کے ساتھ ساتھ ڈر جس کے نتیجہ میں وہ کھل کر اپنی عداوت کا اظہار تو نہیں کر سکتے تھے مگر برابر موقع کے منتظر تھے کہ کسی طرح ہم اسلام کو نقصان پہونچا دیں اور اگر اس کو ختم نہ کر سکیں تو کم از کم اُس کی امتیازی خصوصیات کو تبدیل کر دیں جو اُس نے قائم کی ہیں اور جن سے ہمارے اقتدار کو صدمہ پہونچا ہے اور اسلام کے پردے میں پھر بھی اُن امتیازی حدود کو قائم کر دیں جو اسلام کے پہلے عرب میں تھیں۔

سرکارِ رسالت ؐ کی زندگی میں اُن کے اس مقصد کی تکمیل مشکل تھی ان سب کی بڑی احتیاط کی جاتی تھی۔ ان کو عام مسلمانوں کے ساتھ خلط ملط نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ نہ ان کو مسلمانوں پر حاکم بنایا جاتا تھا بلکہ اکثر تحفے تحائف دے کر ان کی دل جوئی بھی کی گئی ہے کہ یہ لوگ اپنے ظالمانہ انداز بھول جائیں۔ ورنہ یہ نہیں تو ان کی آئندہ نسلیں اسلام میں رہ کر امن و امان کی زندگی اختیار کریں اور سچے مسلمان ہو جائیں مگر ان کے جذبات وہی تھے اور اگر ذرا اسلام پر کوئی مصیبت پڑتی تو ان کے چہرے خوشی سے کھل جاتے اور کبھی جذبات دبی زبان سے نکل بھی جاتے چنانچہ ہم ایسے مواقع کی اپنی اس تالیف میں نشان دہی کرتے رہیں گے۔[۱]

اس پورے مضمون کو جو تقریباً ۲ صفحات پر حاوی ہے جس کا دل چاہے، زیادہ تر بعینہٖ الفاظ ہماری کتاب "شہید انسانیت" صفحہ ۵۲ تا ۵۴ پر پڑھ لے۔

---

[۱] اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ جلد اول ص۱۶۷ تا ۱۷۰

[۲] مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۵۹ - ۶۰ و ص ۹۳

پیغمبر خدا کے امن پرور اعلانات و مکّہ کی طرف شاندار پیشقدمی

ابو سفیان نے ایک رات قیام کرنے کے بعد مسلمانوں کے نظم و ضبط اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخلاص و عقیدت کا حال اپنی آنکھ سے دیکھا کہ صبح کی نماز کے لئے حضرت وضو کے لئے جو بیٹھے تو مسلمان ٹوٹے پڑ رہے تھے کہ کوئی قطرہ آپ کے وضو کا اُن کے چلّو میں آ جائے اور جسے ذرا بھی کامیابی ہو گئی، اُس نے وہ پانی برکت کے خیال سے اپنے منھ پر مل لیا۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل پیغمبر اسلام کے سامنے ہو رہا تھا جنھوں نے توحید کا علم قائم کیا تھا۔ معلوم نہیں اس کے بعد مسلمانوں کے ایک طبقہ نے توحید کا کوئی نیا سبق کس مدرسے حاصل کیا جو تعظیم پیغمبر خدا کے کسی ایسے مظاہرے کو داخل شرک سمجھنے لگے۔

ابو سفیان کے دل پر اس منظر سے ایسی دہشت چھائی کہ اس نے کہا، میں نے قیصر اور کسریٰ کے دربار میں بھی دیکھے ہیں مگر یہ جاہ و جلال میری نظروں نے کبھی نہیں دیکھا تھا[1]

نماز کے بعد اُس نے پیغمبر خدا سے اجازت مانگی کہ اب مجھے مکّہ جانے دیجئے کہ میں وہاں کے لوگوں کو اپنے تاثرات سے آگاہ کروں۔

جب وہ چلنے لگا تو بعض مورخین کے بیان کے مطابق خود پیغمبر نے جناب عباس سے فرمایا کہ ذرا اسے مسلمان فوج کی شان دکھلا دیجئے۔ اس پر حضرت عباس نے کہا یا رسول اللہ! یہ آدمی ہے ذرا امتیاز کا

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص۲۹

شوقین تو کچھ ایسا فرما دیجئے کہ یہ مکہ میں جا کر کچھ اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کا موقع پا جائے۔ حضرت ؐ نے فرمایا :-

من دخل دار ابی سفیان فھو اٰمن — جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے گا۔ اُس کے لئے اماں ہے۔

ابوسفیان نے خود حیرت اور بالکل گی کی ملی ہوئی کیفیت میں پوچھا : "میرے گھر میں ؟ !" فرمایا ، "ہاں ہاں تمہارے گھر میں " ، مگر ذرا ہی وقفہ کے بعد فرمایا :-

و من دخل دار حکیم بن حزام فھو اٰمن — جو حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لئے بھی اماں ہوگی۔

بات یہ ہے کہ ابوسفیان کا گھر مکہ کے ایک سرے پر تھا اور حکیم بن حزام کا گھر دوسرے سرے پر تھا۔ تو اس گھر کو جائے پناہ بنانے میں ایک طرف کے علاقہ والوں کو آسانی ہو اور دوسرے گھر کو پناہ بنانے سے دوسری سمت والوں کی اور پھر اس پر اکتفا نہیں۔ فرمایا :- "جو مسجد حرام (کعبہ کے اطراف) میں داخل ہو جائے ، اُس کے لیے بھی اماں ہے "۔ اور بس اتنا بھی نہیں بلکہ فرمادیا :-

و من اغلق بابہ فھو اٰمن [1] — جو خود اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اس کے لئے بھی اماں ہے۔

ظاہر ہے کہ اب اماں تو عام ہی ہو گئی مگر سب سے پہلے اپنا نام لے کر جو اعلان ہوا ، اُسے خصوصیت کے ساتھ ایک ایک سے بیان کرنے کا موقع

---

[1] کامل الابن الاثیر ج ۲ صد ۲۴۳

مل جانے سے ابوسفیان کی ... ایک سامان ہوگیا۔ اس کے
بعد جناب عباس آگے بڑھے اور ابوسفیان کو روک کر فرمایا کہ ٹھہر و ذرا لشکر
اسلام کا منظر دیکھ لو، پھر مکہ جاکر بیان کرنا اور ابوسفیان کو لے کر بیرون
مکہ ایک پہاڑی پر جو موڑ کے اوپر واقع تھی کھڑے ہوگئے جس کے نیچے
قریب سے فوج کے دستے گذرنے والے تھے۔

فتح مکہ کے سلسلہ میں علامہ ابن ابی الحدید معتزلی کا ایک بڑا پُرزور
قصیدہ ہے جو عربی ادب کے شاہکاروں میں سے اور جناب تاج العلماء
مولانا سید علی محمد (ابن سلطان العلماء ابن غفران مآبؒ) نے جو عربی کے
ادیب اور بہت بڑے مجتہد ہوتے ہوئے ملک کے اس وقت کے سیاسی تقاضوں
کا تصور پیدا ہونے سے بہت قبل بلکہ جناب آزاد لکھنوی کی پیدائش سے بہت
پہلے جو خالص اُردو لکھنے کے موجد سمجھے جاتے ہیں، خالص اُردو یا ہندوستانی
زبان میں لکھنے کی ابتدا فرمائی، انھوں نے اس دَور کے ادبی پیرایہ میں اس
قصیدہ کا ترجمہ بلکہ شرح تحریر فرمائی ہے۔ اس میں ابوسفیان کے اسلام
لانے اور پھر لشکر اسلام کا نظارہ کرنے کے واقعہ سے متعلق جو حصہ ہے اُسے
بطور ایک قدیم شاہکار اور یادگار کے اس مقام پر درج کیا جاتا ہے
اگرچہ بنظر اختصار درمیان درمیان سے حملہ حیدری کے اشعار اور اکثر
عبارت آرائی کی خاطر جو بہت ثقیل حرف ہوئے ہیں، اُنھیں حذف کرکے
نفس واقعہ کو سلسلہ سے یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

ابوسفیان مجلس میں آیا اور عباسؓ کے ذریعہ سے حضرت کی خدمت

میں آکے ایمان لایا اور امان لی مگر دل کا مالک خدا تھا چنانچہ فاضل معتزلی لکھتے ہیں :-

خطا رأی اعلی لستمار تقاعد فیا رأی ان لا نجاۃ تحدرا

پس اڑ گیا ابوسفیان آسمان پر، جب وہاں نجات نہ پائی تو پھر زمین پر ٹھہرا۔

وحاذ رغربی مشرقی مذ کو عزمت فالقی المشرقی مذ تمرا

خلاصہ یہ کہ اٹھی ہوئی دو دھاری تلوار کی باڑھ دیکھ کے سہم گیا۔ پہلے تو اسلام کا نام سن کے بغلیں جھانکنے لگا پھر اسلام قبول کیا۔

واعطی یدا لم یعطھا عن محبۃ وقول تعدی ما قالہ متبختوا

بیعت کے لیے بکراہت ہاتھ تو بڑھا دیا لیکن دل سے کب منظور تھی اور عہد وفا تو کیا مگر وہ دل کی کا کب خیال تھا۔

فکنت بذالک العفو وبالعلی عن ذی احسان احری وجدرا

اور از بسکہ آپ اولی عفو واحسان تھے تو اس وجہ سے آپ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی۔

لا ضمت یا شقی العداوۃ ناصقا حظیہ من ... مستترا

حیف صد حیف اے ابوسفیان کہ ظاہر میں بڑے تعظیم وتکریم کی حضرت کی اور باطن میں عداوت ... کی۔

وحسبک ان تدعو ... ما فقا ویبطن ضداً للذی خلت مظہرا

ذرا ... کیا مرے ننگ وعار کو کہ ظاہر و باطن تیرا یکساں نہ ہو ... نفوس ... تیرا تھا ...

جب حضرت نے اسے رخصت کیا تو منشاءِ نظرِ اقدس یہ ہوا کہ وہ کرّ و فرّ اور جاہ و حشم لشکرِ ظفر پیکر کا دیکھتا جائے تا کہ پھر رعب سے بغاوت و شقاوت نہ کر سکے۔ پس حضرت نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ وہ اُسے سامنے لے جا کے ایک ٹیکرے پر کھڑے ہوں تا کہ لشکرِ خدا کا سیلاب اُس روسیاہ کی نظر سے گزرے۔ اور ادھر جب مہاجر و انصار و فاتحان و ردِ دولت پر جمع ہو چکے تو حضرت نے سواری طلب فرمائی۔ ایک ناقۂ کوہ تن قصویٰ نام حضرت کے سامنے آیا اور حضرت نے نورِ طور کی طرح اُس پر جلوہ فرمایا۔ جلو میں بے شمار پیادہ سوار تگ و دو میں تھے۔ ادھر نوجوان کا شور و غوغا، اُدھر گھوڑوں کو ہنہنانے سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔

قلبِ لشکر میں سیدِ مختار تھے، گرد و پیش ہالے کی طرح مہاجر و انصار تھے۔ راہِ خدا میں سر فروشی پر سب تیار تھے اور ردیف حضرت کے حیدرِ کرار تھے۔ یہاں پر کوئی مثال کب کھبتی ہے، ہاں چاند کے سامنے کے تارے کی تشبیہ البتہ کچھ پھبتی ہے۔ دستِ خدا میں نشانِ زر فشاں تھا۔ ڈاب میں ذوالفقار پر کہکشاں کا گمان تھا۔

اس کرّ و فرّ سے لشکرِ خدا چلا، یہاں تک کہ ابوسفیان کا سامنا ہوا، سب کے پہلے خالد بن الولید کو جھنڈا بنایا تھا۔ اور اُس کے ہمراہیوں کو ہراول ٹھہرایا تھا۔ ہزار سوار جرار نے اُس کے پیچھے پرا جمایا تھا۔ ہاتھ میں اُس کے بہت بڑا علم تھا۔ زر فشاں جس کا پرچم تھا۔ ہر ایک کے بدن میں زرہ، کمر میں تلوار، سر پہ خود، پشت پہ سپر، ہاتھ میں نیزہ تھا، پشتِ زمین پر جیسے بجبین اپنے غیظ و غضب میں بھرے بیٹھے تھے کہ جیسے

بپھرا ہوا شیر۔ جب ابوسفیان سے چار آنکھ ہوئی تو سب لشکر نے تکبیروں کا ایک نعرہ مارا اور تیروں کی طرح سامنے سے نکل گئے۔ ابوسفیان عباس سے کہا کہ یہ لشکر رسولِ خدا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ابھی فوج رسول خدا کجا، یہ تو لشکر خالد ہے، ہمارا ولید جس کا والد ہے۔ یہ سن کے ابوسفیان ہلس کے کہنے لگا کہ اللہ اللہ! دو دن میں یہ بے باپ کا بدتمیز چھوکرا ہماری فوج میں افسروں میں محسوب گیا۔ پھر زرہ پوش زبیر عوام تھے کہ جو مثل نہنگ دام تھے، سر پر نورانی خود دیے تھے۔ زرہ چار آئینہ بدن میں آراستہ کیے تھے۔ ہر بات جرأت کی سراسر تھی۔ ہر دم سینہ اور بازوؤں پر نظر تھی۔ کھجور کے درخت کا سا بھالا ہاتھ میں اٹھایا تھا۔ پیش صف اُن کے جھوم جھوم کے چلنے نے مست ہاتھی کی چال کو بھی بھلایا تھا۔ سامنے اُن کے ایک دیبائے چین کا پھریرا اُڑتا جاتا تھا، سایہ اُس کا زمین کی بہار دکھاتا تھا اور اُن کے پشت پر سرپان سے سوار بڑے سورما نہایت جرار تھے۔ بدن میں زرہ آراستہ کیے تھے۔ ہاتھوں میں بڑے بڑے نیزے لیے تھے۔ پرتلوں پر تلواریں لٹکائے تھے، سروں پر خود رکھے بازوؤں پر کمانیں لگائے تھے۔ گھوڑوں پر پاکھروں کی عجیب شان تھی۔ بے مثل و لاجواب بے گمان تھی ۔۔ اس شان و شوکت سے وہ لوگ بھی آئے۔ ابوسفیان کو دیکھ کر اللہ اکبر کا نعرہ زبان پر لائے۔ عباس سے کہا کہ کیا یہ لشکر حضرت ہے جو اس کا ایسا احتشام ہے۔ عباس نے کہا نہیں فقط یہ فوج زبیر عوام ہے۔

پھر ایک اور جماعت آئی۔ اُن سے اُس دہشت کی جھنکار نے بیٹھا

زینت پائی۔ اُن کے آگے سن رسیدہ، جہاں دیدہ، آزمودہ کار، مرد
دین، یعنی حضرت ابوذر غفاری تھے۔ چمکتی ہوئی لوہے کی ٹوپی سر پر دیے تھے۔
نورانی قبا زیب تن کیے تھے۔ طبیعت جہاد پر بہت مائل تھی۔ ایک تیغ
بے دریغ الماس رنگ گلے میں حمائل تھی۔ اُن کی نورانی پیشانی ایمان سے
چمک رہی تھی ـــ دستِ حق پرست میں ایک نشان تھا۔ اگر وہ گرد برد میدان
غبار سے کالی رات کی طرح تیرہ و تار تھا تو وہ بجائے کہکشاں تھا۔ اُن کے
عقب میں بنی غفار تھے۔ کل وہ پانچسو سوار تھے ـــ اس رنگ
ڈھنگ سے ابوسفیان کے سامنے آئے اور نعرۂ حیدری اللہ اکبر زبان پر لائے
بظاہر تو شیران کے پیر تھے۔ مگر حقیقت میں یہ سب کرشمے کمان کے تیر تھے
ـــ ابوسفیان نے کہا یہ کون بزرگ ہے؟ عباس بولے کہ یہ مصاحب
خاص پیغمبر ابوذر و بنی غفار ہیں۔ پھر بنی کعب آئے۔ وہ نیا رنگ لائے۔
پھر قوم مزینہ سے ہزار سوار آئے ـــ پھر ٹڈی دل کی طرح جہینہ کا لشکر آیا اس نے
اور ہی رنگ دکھایا ـــ آخر الامر بہت دیر کے بعد لشکرِ خاص حضرت آیا جسکے گرد
کسے بیان کی طاقت ہے ـــ حضرت کے پشت پر سپاہ تھی اور روبرو حضرت
رحمتِ خدا کا سایہ جلو میں، عجیب قدرت خدا دکھائی دیتی تھی۔ وہ سہانا وقت،
نورانی صورتیں ہمراہ پاس، زمین سے آسمان تک نور کا تتق بندھ گیا تھا!!

اس موقع پر تاریخ کا یہ بیان بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ لشکر
اسلامی کی اس ... کو دیکھ کر ابوسفیان نے بیساختہ جناب عباس سے کہا،

لقد اصبح ملک ابن اخیک الیوم عظیما — تمھارے بھتیجے کا ملک تو اب بہت بڑا ہوگیا ہے۔

اُنھوں نے فوراً اُس کا مُنہ بند کیا اور کہا:

یا ابا سفیان انہا النبوۃ — ارے! یہ سلطنت نہیں ہے، نبوت ہے۔

اُس نے ناچار کہا فنعم اذن اچھا تو پھر اب یہی سہی[۱]

یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ فرق اس کے بعد ہمیشہ قائم رہا، جو راسخ العقیدہ مسلمان تھے، وہ نبوت مانتے تھے اور جو سیاسی اثرات کے ماتحت مسلمان ہوئے تھے یا ایسے مسلمانوں کے وارث تھے، وہ ہمیشہ اُسے سلطنت ہی سمجھتے رہے۔

عام مورخین نے تو لکھا ہے کہ انصار کے دستہ کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ اصحاب کی جماعت کے ساتھ تشریف لائے تھے مگر علمائے شیعہ میں سے علامہ طبرسی کا بیان ہے کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس انصار مدینہ کے دستہ میں تھے (صور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ فی الانصار)[۲]

اگر ایسا تھا تو یہ اپنے پناہ دینے والوں کے حق کا خاص احترام "خلق عظیم" کا ایک کرشمہ تھا کہ دیکھو جب میں اپنے شہر میں داخل ہو رہا ہوں تو بھی تمہاری وفاداری اور حسن سلوک کو نہیں بھولا ہوں اور یہ نہ سمجھنا کہ اب میں مکہ میں داخل ہو کر پھر مکہ والا ہو جاؤں گا بلکہ میں اب مدنی ہوں اور مدنی ہی رہوں گا۔

---

۱ البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۲۹۰ تاریخ یعقوبی طبع بیروت ج ۲ ص ۶۰ تاریخ طبری ص ۱۶۳۳ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۔۔

۲ البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۲۹۲ ۳ اعلام الوری ص ۱۱۶

یہ دستہ انصار کا تھا لہٰذا حضرت کا علم انصار کے علمدار سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا، مگر انھوں نے صحیح طور پر اس فتح کے موقع پر رسولؐ کے موقف کو سمجھا نہیں تھا، اس لئے ان کی نظر جو ابوسفیان پر پڑی تو جنگجویانہ انداز میں للکار دیا کہ

یا ابا سفیان الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الحرمۃ	اے ابوسفیان! آج ہوگا مردالادن ہے؛ آج بڑی حرمتیں یعنی بڑی شان والوں کی درگت بننے والی ہے۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ اس کے پیغمبر خداؐ نے فوج مرتب فرمائی اور اس وقت علم لشکر سعد بن عبادہ کو دیا تو انھوں نے بطور رجز کہا:

الیوم یوم الملحمۃ	الیوم تستحل الحرمۃ[1]

بعض تاریخوں میں ہے کہ ابوسفیان یہ سن کر صفوں کو چیرتا حضرت رسول خداؐ کے پاس پہونچ گیا اور رکاب کو بوسہ دے کر کہا آپ نے سنا سعد کیا کہہ رہے ہیں! اور انہی کے الفاظ دہرا دیئے۔

بعض نے ابوسفیان کا اس موقع پر ذکر نہیں کیا ہے۔ بہرحال رسولؐ کو یہ خبر پہونچی تو آپ نے فرمایا غلط ہے۔ سعد کا کہنا کوئی چیز نہیں۔ آج تو لائق احترام چیزوں کی حرمت قائم ہونے کا دن ہے آج کعبہ کو اسکی عظمت واپس ملے گی[2] اس کے ساتھ آپ نے سعد کے ہاتھ سے علم واپس منگا لیا اور حضرت علی علیہ السلام کے سپرد فرمادیا[3] چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے علم اپنے ہاتھ میں لے لیا

---

[1] تاریخ ابن خلدون قسم ۲ ج ۲ ص۱۸۰ [2] البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص۲۹۲

[3] ابن خلدون ق ۲ ج ۲ ص۱۸۰

طبری کے الفاظ ہیں :-

فقال رسول اللہ لعلی بن ابی طالب ادرک فخذ الرایۃ فکن انت الذی تدخل بہا[1]

پیغمبر خدا ؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ جاؤ خبر لو۔ علم اُن سے لے لو۔ اور تم ہی اُسے لے کر مکہ میں داخل ہونا۔

ابن خلدون نے لکھا ہے :-

فامر علیاً ان یاخذ الرایۃ منہ (تقدیر الجزء الثانی ص ٣٢)

پیغمبر خدا نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ علم اُن سے لے لیں۔

ایسا ہی تاریخ ابو الفداء (ج ۱ ص ١٤١) میں ہے۔

پرعظمت داخلہ

جیسا کہ مسٹر اے ۔ کے حمید نے بھی لکھا ہے :-

"شہر میں داخلہ کے وقت رسول خدا کے آگے حضرت علیؑ اسلامی جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے ــــ جلوس سیدھا کعبہ میں داخل ہوا۔ صحن میں کھڑے ہو کر سرکار نے یہ آیت پڑھی :-

"شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحیم ہے۔ اللہ ہی آسمان اور زمین کا مالک ہے۔ اللہ نے تم سے بہت سی باتوں کا وعدہ کیا تھا جو پوری ہو کر رہیں گی۔ اللہ تمہارے دشمنوں پر غالب ہے۔ اور اللہ ہر بات پر قادر ہے"[2]

اس وقت سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا[3] جو اب سادات بنی فاطمہ کی جو عمامہ پہنتے ہوں، علامت ہے۔

---

[1] الرسل والملوک ص ٣٦ — [2] تاریخ مسلمانان عالم حصہ اول ص ۵۸

[3] الکامل لابن الاثیر ج ۲ ص ١٢٥

دوسرے مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت کعبہ کے دروازہ پر پہونچ کر ٹھہر گئے

دونوں بازو دروازے کے ہاتھ سے تھامے اور فرمایا :-

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ ۔ کوئی خدا نہیں سوا اللہ کے، اس نے اپنا

اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ ۔ وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی

وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ ۔ اور تن تنہا تمام متفقہ طاقتوں کو شکست

دے دی۔

عفو عام کا تاریخی اعلان

اس اعلان کا ذکر بعض مورخین نے "بتوں سے خانۂ کعبہ کی طہارت" کے بعد کیا ہے مگر زیادہ مؤرخین اس کا تذکرہ پہلے کرتے ہیں، اس لئے ہم بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔

مسٹر اے، حمید لکھتے ہیں کہ :-

"سرکار نے نماز ادا کی، بعد میں چاہ زمزم پر پہونچے اور وہاں کے پانی سے اپنی پیاس بجھائی۔ اسکے بعد ایک اعلان جاری کیا کہ جو دنیا کی تاریخ میں نمایاں خصوصیت رکھتا ہے۔ فرمایا "آج کے دن تم کو کوئی خطرہ نہیں اے جماعت قریش آج خدا نے تمہارے جاہلانہ غرور کو خاک میں ملا دیا اور تمہاری قدیمی لن ترانیاں خاک میں مل گئیں، سن رکھو، خدا نے تم کو خاک سے پیدا کیا ہے اور پھر خاک میں ملا دے گا۔ خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو خدا سے ڈرے اور جس کے عمل شریفانہ ہوں۔ اے روسائے مکہ

۱؎ اعلام الوریٰ ص ۔ ۲؎ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۵۲

میں نے تم کو آزاد کیا اور تم سے کسی قسم کا مواخذہ نہیں کروں گا۔"[1]

تعجب ہے کہ ہمارے محترم خواجہ محمد لطیف صاحب انصاری نے اس موقع پر صرف اتنا لکھ دیا ہے کہ "نماز شکر ادا فرمائی اور اہل شہر کو اکٹھا کر کے ایک فصیح و بلیغ تقریر فرمائی جس میں اللہ کی توحید پر قائم رہنے، شرک سے بچنے اور انسانی اخوت کو ملحوظ رکھنے کی تلقین فرمائی"[2]۔

اس میں معلوم نہیں کس وجہ سے اُس عام معافی کا بالکل تذکرہ نہیں ہوا ہے جو فتح مکہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کردار کا نہایت درجہ اہم پہلو ہے جیسے دنیا کے تمام اقوام کے سامنے اس تحدی کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے کہ فاتوا بسیرۃ من مثلہ

اسے علامہ طبرسی طاب ثراہ نے بڑی مکمل صورت میں پیش کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ :-

ودخل صنادید قریش الکعبۃ وھم یظنون ان السیف لا یرفع عنھم فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ البیت واخذ بعضاد تی الباب ثم قال لا الہ الا اللہ انجز وعدہ ونصر عبدہ وغلب الاحزاب وحدہ ثم قال ما

اور قریش کے بڑے آدمی کعبہ میں آئے اور اُن کا زیادہ گمان یہ تھا کہ وہ تہ تیغ ہونے سے بچ نہیں سکتے۔ اب رسولخدا ص کعبہ کی طرف تشریف لائے اور آپ نے دروازے کے دونوں پہلوؤں کو پکڑ کے پھر کہا کوئی خدا نہیں سوا اللہ کے اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور وہ تنہا تمام مخالف جماعتوں پر غالب آیا۔ پھر فرمایا بتاؤ۔ تمہارا اب کیا

---

[1] تاریخ مسلمانانِ عالم حصہ اول ص۸۵
[2] اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ جلد اول ص۱۷۰

تظنون وما انتم قائلون فقال
سهیل بن عمرو نقول خیرا
ونظن خیرا اخ کریم وابن عم
قال فانی اقول لکم کما قال
اخی یوسف لا تثریب علیکم
الیوم یغفر اللہ لکم وہو
ارحم الراحمین الا ان کل دم
ومال ومأثرۃ کان فی الجاہلیۃ
فانہ موضوع تحت قدمی
الا سدانۃ الکعبۃ وسقایۃ
الحاج فانہا مردودتان الی
اہلیہا الا ان مکۃ محرمۃ
بتحریم اللہ لم تحل لاحد کان
قبلی ولم تحل لی الا ساعۃ من
من نہار وہی محرمۃ الی ان
تقوم الساعۃ لا یختلی خلاہا
ولا یقطع شجرہا ولا ینفر
صیدہا ولا تحل لقطتہا الا
لمنشد ثم قال الا لبئس
جیران النبی کنتم لقد کذبتم

گمان ہے کیا کہتے ہو یا سہیل بن عمرو نے کہا
ہم اچھا ہی کہتے ہیں اور اچھا ہی گمان رکھتے
ہیں۔ آپ ایک شریف بھائی ہیں اور بھلے کے
بیٹے ہیں۔ فرمایا، اچھا میں تم سے وہی کہتا ہوں
جو میرے بھائی حضرت یوسف نے کہا تھا کہ
پر اب اسوقت تجھے کوئی الزام دیا نہیں
اللہ تمھیں معاف کرے اور وہ تمام رحم کرنے
والوں میں سب سے زیادہ رحیم ہے۔ معلوم ہونا
چاہیئے کہ ہر خون اور مال کا مطالبہ اور فخر جو
جاہلیت کے دور کا ہے، وہ سب میرے پیروں
کے نیچے (پامال) ہے۔ سوا کعبہ کی تولیت اور
حاجیوں کی سیرابی کے یہ عہدے انہیں کو واپس کئے
جاتے ہیں جنکے پاس تھے۔ آگاہ ہونا چاہیئے
کہ مکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محترم ہے۔ اسمیں قتل و خونریزی
اقدام مجھ سے پہلے کبھی حلال نہیں تھا اور میرے
لئے بھی تھوڑی دیر کیلئے آج حلال ہوا ہے
اور ابد تک قیامت تک کیلئے اسکی حرمت ہو
وہاں کی گھاس اور اسکے درخت کو کاٹا نہیں جائیگا
اور اسمیں کسی شکار کو چھیڑا نہیں جائیگا
اور اسمیں گری پڑی چیز کا اٹھانا جائز نہیں
سوا اسکے جو مالک کو ڈھونڈھ کر اس تک
پہونچانا چاہتا ہو، پھر فرمایا پیغمبر کے کتنے برے

ثم طردتم واخرجتم وقاتلتم ثم ما رضیتم حتی جئتمونی فی بلادی تقاتلوننی فاذھبوا فانتم الطلقاء فخرج القوم فکانما نشروا من القبور فدخلوا فی الاسلام[1]

پڑوسی تم تھے۔ تم نے مجھے بار بار گھر سے نکالا (یا) ہر طرح شکست دینے کی کوشش کی۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ تم میرے شہر میں جا کر مجھ پر حملہ آور ہوئے اور جنگ کیلئے چڑھ کر گئے۔ اس سب کے بعد بھی جاؤ تم سب کو چھوڑ دیا۔ یہ اعلان سنتے ہی سب لوگ نکلے ہوئے ایسا ہوتا تھا جیسے قبروں سے دوبارہ زندہ ہو کر باہر نکلے ہیں اور اب وہ سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

اس میں دو چیزیں تاریخی حیثیت سے بہت ہی اہم ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت نے جو ان کی فرد قرار داد جرم مرتب کر کے انھیں سنائی ہے، اس میں فرماتا ہے کہ "تم میرے شہر جا کر مجھ پر حملہ آور ہوئے اور جنگ کے لئے چڑھ کر گئے" یہ فقرہ آغاز جنگ اسلامی اور بالخصوص جنگ بدر کے پس منظر پر جس کے متعلق بڑی بسیط بحث ہماری اس تاریخ کے حصہ اول میں آئی ہے، اتنی تیز روشنی ڈالتا ہے کہ اس کے بعد شک و شبہ کی تاریکی کو سر چھپانے کی جگہ باقی نہیں رہتی۔

دوسرے آخر کا یہ جملہ کہ اس اعلان کے بعد وہ لوگ مسلمان ہوئے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ معافی کا اعلان ان کے اظہار اسلام سے پہلے تھا یعنی یہ عفو و کرم غیر مسلم جماعت کے ساتھ ظہور میں آیا تھا۔

---

[1] انوار الوری صفحہ ۱۱۸

دوسرے مؤرخین نے اس کے اجزاء کو منتشر طور پر ذکر کیا ہے۔

ابن الوردی نے جو حضرت کا سوال ماترون انی فاعل ؟ کیا سمجھتے ہو میں تمھارے ساتھ کیا کرونگا ؟ اور اس کا جواب اخ کریم وابن اخ کریم "شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے" اس کے بعد بلا فاصلہ لکھا ہے:

قال فاذھبوا فانتم الطلقاء "جاؤ تم سب کو چھوڑے دیتا ہوں"[1]۔

ابوالفداء نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ بس وہ سوال لکھا ہے کہ میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کرونگا اور اس کا جواب کہ ہمیں اچھا ہی گمان ہے اخ کریم وابن اخ کریم اور بس اس کے بعد رسول کا ارشاد:

فاذھبوا فانتم الطلقاء "اچھا جاؤ تم سب کو چھوڑ دیا"[2] ابن اثیر نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اور حضرت کے ارشاد انتم الطلقاء کے بعد یہ اضافہ کیا ہے:۔

فعفا عنھم وکان اللہ قد امکنہ منھم وکانوا لہ فیئا فلذلک سمی اھل مکۃ الطلقاء	اسطرح آپ نے انھیں معاف کر دیا حالانکہ اللہ نے آپکو ان پر پورا قابو دیدیا تھا اور وہ اب آپکے سامنے بطور مال غنیمت موجود تھے اسی لئے مکہ کے باشندوں کا نام ہو گیا طلقاء یعنی ایسے غلام وکنیز جو آزاد کر دیے گئے۔

(کامل جلد ۲ ص ۲۵۲)

مسعودی نے فتح مکہ کا ذکر بہت مختصر کیا ہے۔ اسطرح کہ اس سال کا اہم واقعہ بُت شکنی کو قرار دیتے ہوئے بس یہ لکھا ہے کہ :۔

---

[1] تاریخ ابن الوردی ط مصر ۱۲۸۵ھ ج ۱ ص ۱۴۳ [2] تاریخ ابن الفداء ج ۱ ص ۱۵۲

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا معشر قریش ما ترون انی فاعل بکم قالوا خیراً اخ کریم وابن اخ کریم قال اذہبوا فانتم الطلقاء

(مروج الذہب ج ۲ ص ۱۸)

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے گروہ قریش تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا انھوں نے کہا نیک خیال ہے۔ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے فرمایا اچھا جاؤ سب کو چھوڑے دیتا ہوں۔

بالکل اسی کا تتبع صرف ایک لفظ کا فرق یعنی ما ترون کے بجائے ما تظنون کے ساتھ ہمارے زمانہ کے ماضی قریب کے مؤرخ خضری بک نے کہا ہے

یعقوبی نے وہ سوال درج کیا ہے کہ تمہارا میرے متعلق کیا گمان ہے اور جواب ما نظن الا خیراً اخ کریم وابن عم کریم —— اس صراحت کے ساتھ کہ یہ جواب سہیل بن عمرو نے دیا۔ وہی سہیل جو حدیبیہ کی صلح میں شرکت کا نمایندہ تھا۔ پھر ایک طولانی تقریر حضرتؐ کی درج کی ہے جس میں حرمت حرم وغیرہ کا ذکر ہے اور کچھ خاص اسلامی آئین کے اصول جیسے قتل شبیہ محمد کی سزا اور یہ مشہور مسئلہ کہ الولد للفراش وللعاہر الحجر (یعنی بچہ اصل شوہر کا قرار دیا جائے گا اور زنا کار کے لئے صرف پتھر ہوں گے) اور پھر آخر میں یہ جملے لکھے ہیں:۔

الا لبئس الجیران کنتم

ارے کتنے برے پڑوسی تم تھے۔ اچھا

لہ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۲ ص ۱۹

فاذھبوا فانتم الطلقاء۔ جاؤ! تم سب کو چھوڑے دیتا ہوں۔

(تاریخ ابن واضح طبع بیروت ج ۲ ص)

بغیر لحاظ طوالت میں نے متعدد تاریخوں کے اقتباسات بجنسہ پیش کر دیے ہیں اس غرض سے کہ میں جو چیز ان میں محسوس کرتا ہوں، اُسے ناظرین بھی براہ راست محسوس کریں۔

اس میں جو فقرہ سب کے یہاں متفقہ طور پر موجود ہے، وہ ہے

اذھبوا فانتم الطلقاء جاؤ تم سب کو چھوڑے دیتا ہوں۔

یہ طلقاء طلیق کی جمع ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کی حیثیت اسیر جنگ پکڑا جائے تو اس کے بعد غلام یا کنیز کی حیثیت سے فریق مخالف کی ملکیت ہوتا تھا اور پھر رحم کھا کر اُسے چھوڑ دیا جائے۔

اس لفظ کے اندر معافی کے اعلان کے ساتھ تحقیر اور سرزنش دونوں موجود ہیں۔ اس لئے یہ لفظ ہمیشہ کے لئے اُن کے دامن پر داغ بن کر رہ گئی جیسا کہ ابن اثیر کی عبارت ہے جو سابق میں درج ہوئی آیا ہے کہ اسکے بعد مکہ والوں کا لقب ہو گیا طلقاء —— یہاں تک کہ یہی لفظ اپنے حدود تہذیب میں بطور سخت دشنام کے امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے اپنے ان خطوط میں جو امیر شام معاویہ کے نام لکھے ہیں مختلف طریقوں سے پیش کیا ہے کبھی یوں کہ ما للطلقاء وابناء الطلقاء والتمیز بین المھاجرین مثلاً انھیں جو خود بھی طلقاء ہیں اور اولادِ طلقاء ہیں، یہ حق کہاں پہونچتا ہے کہ وہ مہاجرین کے درمیان فضیلت

کے بارے میں بات کریں۔ اور کبھی جب امیر شام نے لکھا کہ ہم اور آپ برابر والے ہیں تو آپ نے تحریر فرمایا: لیس الطلیق کالصریح اور جو طلیق ہو، وہ بڑے کھرے کے برابر کیونکر ہو سکتا ہے۔ دوسرا جزا جو اسیر رح تقریباً سب ہی نے لکھا ہے، وہ آپ کا اُن سے مخاطب ہو کر یہ سوال ہے کہ تمھارا میرے متعلق کیا گمان ہے۔ ــــ اور پھر اُن کا جواب کہ ہمیں سوا اچھائی کے کوئی گمان نہیں۔

فطری طور پر آپ نے جب یہ فرمایا کہ تمھارا میرے متعلق کیا گمان ہے۔ میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کروں گا تو آپ کے ذہن میں اُن کے وہ تمام مظالم تھے جو اُنھوں نے آپ پر کئے تھے لیکن یہ تصور بالکل نہیں کرنا ہے کہ آپ نے یہ سوال بڑے نرم لہجہ میں او نیچے انداز میں کیا ہوگا بلکہ یہ وہ ان دل کے ایک بڑے تلاطم میں ہے جس کا اثر چہرہ پر بھی ہونا چاہئے اور لب و لہجہ پر بھی۔ اس کے جواب میں اُن کا یہ کہنا کہ ہمیں بس اچھا ہی گمان ہے آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں جو انقلاب زمانہ سے ایک جابر و ظالم کی طرف سے مجبوراً چاپلوسی کی نشاندہی کر رہا ہے، فطری طور پر غم و غصہ میں اضافہ کرنے میں اضافہ کا باعث ہونا چاہیئے۔ کہ آج ہم بھائی اور بھتیجے سب ہو گئے اور کل بھائی بھتیجے کچھ نہ تھے، جب ہم کو گھر سے نکالا اور طرح طرح کے مظالم کیے چنانچہ اس فطری ناگواری سے بالکل مطابق ہیں وہ فقرے جو علامہ طبرسی نے لکھے ہیں کہ حضرت نے اپنی تقریر میں اس کے بعد اُن کے مظالم انھیں یاد دلائے کہ پیغمبر کے کتنے بڑے پڑوسی تم تھے، تم نے جھٹلایا۔ گھر سے نکلوایا۔ بُری طرح شکست دینے کی کوشش کی۔ پھر اس پر بھی اکتفا و غیرہ

کی، یہاں تک کہ تم یمن میں میرے شہر میں جاکر مجھ پر حملہ آور ہوئے اور جنگ کے لئے چڑھائی کرکے گئے"۔ کیا کوئی شبہ ہے کہ یہ فقرے ایسے جوش و خروش، گرج اور کڑک کے ساتھ کہے جا رہے ہونگے جن سے مسلسل اُن کے احساس پر تازیانے کیسے، دل و دماغ پر بجلیاں گر رہی ہونگی، ان فقرات کے ساتھ نرم و ملائم لہجہ کا تصور نہیں ہو سکتا، یہ فقرات تفصیل کے ساتھ تو علامہ طبرسی کے یہاں ہیں مگر ایک جملہ جو اس سب پر حاوی ہے، یعقوبی کے یہاں بھی موجود ہے کہ "کتنے میرے پڑوسی تھے تم"۔۔۔ یہی جملہ اُس سرزنش کا جو اعلام الوریٰ میں مکمل درج ہے، نقطۂ آغاز ہے۔

اس سب کے ساتھ کتنا بے جوڑ ہے یہ جزو کہ حضرتؑ نے فرمایا "میں تم سے وہ کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے کہا تھا اپنے بھائیوں سے کہ تم پر اب کوئی الزام نہیں ہے۔ اللہ تمھیں معاف کرے اور وہ تمام رحم و کرم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحیم ہے"۔۔۔ یہ جملے وہ ہیں جن میں نرمی، شفقت اور ملائمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے جو اُس پوری روح کے خلاف ہے جو سابق کے متفق علیہ جملوں میں تھی اور اگر یہ جملے حضرتؑ نے فرمائے ہوں، تو پھر وہ تمام سرزنش اور اُن کے گذشتہ مظالم کو یاد دلانا اور پھر اذہبوا انتم الطلقاء کا سخت اور توہین آمیز انداز بے وقعت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے میں محسوس کرتا ہوں اور یقین کے درجہ تک ایسا سمجھتا ہوں کہ راویوں میں کچھ راوی وہ تھے جنھیں ان نومسلموں کے ساتھ ہمدردی تھی اور وہ اُنھیں کسی نہ کسی طرح مغفرت کا پروانہ دلوانا چاہتے تھے اور یہ کوشش اسلاف کے بارے میں اس جملے سے شروع ہوئی کہ

لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین اور ختم ہوئی ان کے اخلاف یزید ایسے شخص کے لئے فتح قسطنطنیہ اور بحری مہم پر جانے والوں کے لئے مغفور لھم والی روایت ہے۔ اس راوی نے اس سوال وجواب کے بعد کہ تمہارا میرے بارے میں کیا خیال ہے اور یہ کہ ہم تو صرف اچھا گمان رکھتے ہیں، اس واقعہ کا تتمہ یہ چھپا کرنا ضروری سمجھا کہ اُن کے اس جواب کے بعد رسول کے رحم وکرم میں جوش پیدا ہو گیا اور آپ نے یہ فرمایا کہ میں تم سے وہ کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ اب کسی کو کیا حق ہے کہ اُن لوگوں کی مغفرت میں کوئی شک کرے۔ جبکہ اس جماعت کے علماء نے برادران یوسف کی اُن کے تمام مظالم کے باوجود جو انھوں نے یوسف پر کئے، انبیاء کے زمرہ میں شامل کیا ہے تو اب مکہ کے ان ظالموں کے لئے رسولؐ کے ارشاد کے بعد تو یہی ہے تو ضرور مانئے لگ بھگ وہی درجہ مانا جائے گا جو برادران یوسف کا تھا۔

دوسرے راوی کو بظاہر اس جماعت کے ساتھ ایسا کوئی رشتہ نہ تھا کہ اُن کے جرائم کو ہلکا کریں، انھوں نے وہ سب کچھ بیان کر دیا جس میں رسولؐ کے دہن مبارک سے اس جماعت پر غیظ وغضب کی بجلیاں گرتے محسوس ہوتی ہیں۔ بعد کے مورخین وہ چاہے ہمارے علامہ طبری یا اُن کے پیشرو کوئی صاحب قلم ہوئے اُن کے سامنے اب اُن راویوں کا بیان بھی تھا اور ان راویوں کے بھی یہ متفقہ بیانات تھے۔ انھوں نے ان دونوں کے تضاد پر متوجہ نہ ہوتے ہوئے سب اجزاء کو سمو کر پیش کر دیا لیکن اب جب ہم کو اس پہلو کی طرف توجہ ہو گئی ہے اور ہمیں "اسپرٹ" کے لحاظ سے اعتراف

میں بالکل بیان نظر آتا ہے، اور ہم نے بتایا کہ انتم الطلقاء والے الفاظ بالکل متفق علیہ ہیں۔ اور برادران یوسف والے تذکرہ کے لکھنے والے کم افراد ہیں اور جن کو اس برادران یوسف والی تمثیل سے دلچسپی تھی وہ بھی انتم الطلقاء والے فقرہ کو نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں۔ چنانچہ کے بعد بانی گروہ کے سب سے بڑے پیشرو علامہ ابن القیم جوزیہ نے جو الفاظ لکھے ہیں یا دیے ہیں وہ یہ ہیں:-

یا معشر قریش ما ترون انی فاعل بکم قالوا خیرا اخ کریم وابن اخ کریم قال فانی اقول لکم کما قال یوسف لاخوتہ لا تثریب علیکم الیوم اذہبوا فانتم الطلقاء

اے گروہ قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انھوں نے کہا اچھا گمان ہے۔ آپ فیاض بھائی اور فیاض بھائی کے بیٹے ہیں۔ فرمایا اچھا تو میں تم سے وہ کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ تم پر اب آج کوئی الزام نہیں۔ جاؤ سب کو چھوڑے دیتا ہوں۔

(زاد المعاد فی ہدی خیر العباد مترجم ۲ صفحہ ۔۔۔)

نجدی وہابیوں کے مورث اعلیٰ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے بالکل انہی الفاظ کو لے لیا ہے اور اس محل پر لفظ بلفظ یہی عبارت لکھ دی ہے۔

(مختصر سیرۃ الرسول طبع مصر)

اب جبکہ ہمارا ادبی ذوق برادران یوسف کے ذکر کے ساتھ انتم الطلقاء کو بالکل بے جا محسوس نہیں کرتا اور یہ الفاظ متفق علیہ ہیں تو ہم مجبور ہیں کہ انھیں

صحیح و ثابت تسلیم کریں اور برادران یوسف والے فقرات کو الحاقی قرار دیں اور علامہ ابن خلدون کے محاکمۂ تاریخ کے مطابق اس کو ضعیف ہی نہیں بلکہ غلط اور موضوع قرار دیں۔

اس لئے خود ابن خلدون نے جن کے اموی رجحانات طشت از بام ہیں یہاں اپنے درایتی ذوق سے مجبور ہو کر درمیان سے اس "برادران یوسف" والے ذکر کو حذف کر دیا ہے اور سوال و جواب کے بعد بلا فاصلہ وہی مسلم الثبوت اور متفق علیہ جملہ لکھ دیا ہے اس طرح کہ :-

یا معشر قریش و یا اہل مکۃ ما ترون انی فاعل فیکم قالوا خیرا اخ کریم ثم قال اذھبوا فانتم الطلقاء اور اس آخری جملہ کے مفہوم کو نہایاں نمایاں بنا دیا ہے اپنے ایک فقرہ سے کہ وتفرھم علی الاسلام

(تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص۳۰)

ہر ایک ذرا سا بھی عربی داں اور فقہ سے و قرآن سے واقف آدمی "عتق" کے معنی جانتا ہے — عتق کے معنی ہیں غلام یا کنیز کو آزاد کرنا۔ لہٰذا اس فقرہ کے معنی یہ ہوئے کہ وہ لوگ آئینی طور پر سب زن و مرد کنیز و غلام کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ جنھوں نے پیغمبرؐ نے ان کے اقرار اسلام کی قیمت پر آزاد کر دیا۔

عصر جدید میں ماضی قریب کے مصری مؤرخ شیخ محمد خضری بک نے بھی جن سے واقعۂ کربلا کے سلسلہ میں بہت یزید نوازی ظہور پذیر ہوئی ہے بالکل اسی کا تتبع کیا ہے اور سوا آخری جملہ کے جو واقعہ کا جزء نہیں بلکہ ابن خلدون کے اس پر ایک طرح تبصرہ کی حیثیت رکھتا ہے باقی بعینہ وہی لفظیں لکھ دی ہیں یعنی سوال و جواب کے بعد اذھبوا فانتم الطلقاء

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۱ ص ۱۹۲)

تطہیر کعبہ یا بُت شکنی

فتح مکہ کا انتہائی اہم واقعہ بت شکنی ہے جیسا کہ آیا ہے۔ علامہ شبلی کی لفظوں میں اسلام کے بڑے مورخ مسعودی نے اس سال کا سب سے اہم واقعہ فتح مکہ کو نہیں بلکہ بت شکنی ہی کو قرار دیا ہے۔ (مروج الذہب ج ۱ ص ۲۵)

مگر معلوم نہیں کیوں سر اکبر علی حمید نے یوں لکھا ہے کہ "پہلا کام جو سرکار نے کیا وہ کعبہ سے بتوں کا اخراج تھا"[۱]

اس میں معلوم نہیں کیوں "بتوں" کے ساتھ یہ رعائت برتی گئی اُن کے لئے "شکست" کے بجائے "اخراج" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ جہاں تک جن جن مؤرخین نے "بتوں" کا کام لیا ہے اُن سب کے ہاں بتوں کے توڑے جانے کا ذکر کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اُس کی نوعیت کچھ "ماوراء الفطرت" قرار دیدی ہے جس کا ذکر اب کسی وجہ سے بھی نہ ہو سکا۔

حقیقت یہ ہے کہ محدثین اور سیرت نبوی کے مصنف نے تاریخی کڑیاں جو راویان حدیث کے ذریعہ سے اُن تک پہونچیں محفوظ کی ہیں اُن میں تاریخی ذوق کی کمی وجہ سے ماہ و سال کی مطابقت اور واقعات کی تاریخی پس منظر سے موافقت کی کمی ہے اور مورخین نے کچھ باتیں حالات کے سیاسی تقاضوں پر نظر سے دبائی ہیں ـــــ اس لئے صحیح تاریخ واقعات کی امکانی حد تک مرتب کرنے کے لئے اِن دونوں کو سمونے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس محل پر محقق ہند شاہ عبد الحق دہلوی نے جو ایک واقعہ ذکر

---

[۱] تاریخ مسلمانان عالم ص ۵۳

اور مورخ دونوں حیثیت رکھتے تھے یہی کام کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں :-

تبی چند بزرگ در موضعی بلند نہادہ
بودند کہ دست بآنہا نمی رسید و
در بعضی روایات آمدہ کہ بت بزرگ
ایشان بود کہ ہبل نام داشت۔
علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بعرض رسانید
کہ یا رسول اللہ پای مبارک بر
کتف من نہ و این اصنام را فرود
آر۔ آنسرور فرمود یا علی ترا
طاقت بر داشتن بار نبوت نیست
تو پای بر کتف من نہ و این کار
بکن۔ علی امتثالا للامر پای
بر کتف رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نہاد و آنہا را فرو گذاشت
در ین حالت حضرت از وی پرسید
کہ خود را چگونہ می یابی گفت یا
رسول اللہ چنان می بینم کہ حجب
مکشوف شدہ و گویا سر من بطاق

کچھ بڑے بت ایک اونچے مقام پر رکھے تھے کہ
ہاتھ اُن تک نہیں پہونچتا تھا اور بعض
روایتوں میں ہے کہ اُن میں کا سب سے بڑا
بت وہ تھا جس کا نام ہُبَل تھا۔
حضرت علیؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ
اپنا پیر میرے کندھے پر رکھئے اور ان
بتوں کو نیچے گرا دیجئے۔
حضرت علیؑ نے فرمایا یا علیؑ! تم میں نبوت
بار اٹھانے کی طاقت نہیں ہے۔ تم پیر میرے
کندھے پر رکھو اور اس کام کو انجام
دو۔ علیؑ نے تعمیل ارشاد کی بنا پر رسول
خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاندھے
پر پاؤں رکھا اور اُنھیں نیچے گرا دیا۔
اس موقع پر آنحضرتؐ نے اُن سے پوچھا کہ
اپنے کو کیسا پاتے ہو؟ کہا یا رسول اللہ
ایسا دیکھ رہا ہوں کہ پردے اٹھ گئے ہیں اور
گویا میرا سر عرش کے پائے تک پہونچا ہوا ہے

عرش رسیدہ است و ہرچہ دست دراز
می کنم بدست من می آید حضرت
فرمود ای علی خوشا وقت تو کہ کار حق
می کنی و حبذا حال من کہ بار حق می
کشم آوردہ اند کہ چون علی تماثیل را
بر زمین انداخت و قطعہ قطعہ ساخت
خود را از دوش آنحضرت بر زمین
زد و در روایتی آمدہ کہ خود را
از نزدیکی کعبہ بینداخت از جہت
ادب و شفقت بر آنحضرت و چون
بر زمین افتاد تبسمی فرمود
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از
وے پرسید کہ چہ چیز ترا بخندہ آورد
گفت آنکہ خود را از چنین جائے
بلند انداختم و ہیچ بمن نرسید
آنحضرت فرمود چگونہ الم بتو رسد و حال
آنکہ بردارندہ تو محمد باشد و فرود
آورندہ جبرئیل۔

اور جس شے کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوں
میرے دسترس میں ہے۔ حضرت صلعم
اے علی خوشا بحال تمہارے کہ تم حق
کر رہے ہو اور خوشا بحال میرے کہ
کا بار اٹھائے ہوں۔ بیان کیا گیا ہے
حضرت علی نے بتوں کو زمین پر پھینکا
ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تو اپنے کو حضرت کے کاندھے
دم زمین پر گرا دیا اور ایک روایت میں
اپنے کو کعبہ کے پاس باہر گرا دیا ادب
خیال سے اور آنحضرت کی زحمت
سے اور زمین پر گرے تو مسکرا دیے
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے
کہ کیا چیز تمہاری ہنسی کا سبب ہوا
انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے کو اتنی اونچی
سے نیچے گرا دیا اور مجھے کوئی تکلیف نہیں
حضرت نے فرمایا تمھیں کیونکر تکلیف
ہے در حالیکہ اللہ نے اٹھانے والا
اور اتارنے والے جبرئیل

اس میں جو اجزا حضرت علیؑ سے متعلق ہیں ان میں سے کچھ ہم قدیم محدثین
امام احمد بن حنبل کے مشہور آفاق مسند میں مسند علیؑ کے ذیل میں دو مقام پر

پاتے ہیں اور حافظ ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی جو مصنفین صحاح ستہ میں سے ایک ہیں اُسے اپنی کتاب خصائص علویہ میں درج کرتے ہیں جن کے متفقہ الفاظ حضرت علیؑ کی زبانی یہ ہیں :-

قال لی اجلس وصعد علی منکبی فذهب لانهض به فرأى منی ضعفا فنزل وجلس لی نبی الله صلی الله علیه وسلم وقال اصعد علی منکبی قال فصعدت علی منکبیه قال فنهض بی قال فانه یخیل الی لو شئت نلت افق السماء حتی صعدت علی البیت وعلیه تمثال صفر او نحاس فجعلت ازاوله عن یمینه وعن شماله وبین یدیه ومن خلفه حتی اذا استمکنت منه قال لی رسول الله اقذف به فقذفت به فتکسر کما تتکسر القواریر

حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور پیغمبرؐ کاندھے پر بلند ہوئے تو میں چلا کہ آپکو لیکر اٹھوں تو آپ نے مجھ میں کمزوری محسوس کی تو اتر پڑے اور پیغمبر خداؐ خود میرے لئے بیٹھے اور فرمایا کہ میرے کاندھے پر چڑھو آپ کا بیان ہے کہ حضرتؐ مجھے لیکر کھڑے ہوگئے آپکا بیان ہے کہ مجھے ایسا تصور ہو رہا تھا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان جو چاہوں لے لوں یہاں تک کہ میں خانہ کعبہ کے اوپر بلند ہوگیا اور اُس پر پیتل یا تانبے کی مورت تھی تو میں اس کو حرکت دینے لگا اُسکے داہنے اور اُسکے بائیں سے اور اُسکے سامنے سے اور اُسکے پیچھے سے یہاں تک کہ جب میں نے اُسے ہلا کر دیا تو حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ بس اب اسے گرادو تم نے اُسکو اوپر سے نیچے پھینکا تو وہ اس طرح ٹوٹی جیسے شیشے ٹوٹتے ہیں۔

مسند احمد مطبوعہ مصر ۱۳۱۳ھ ج ۲ ص ۸۴
وخصائص نسائی مطبوعہ لکھنؤ ص ۳۱

مگر جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا اس واقعہ کا ارتباط فتح مکہ کے موقعہ پر گم ہو گیا ہے حالانکہ درایتی حیثیت سے سوا فتح مکہ کے کوئی اور موقع اس بت شکنی کا ہو ہی نہیں سکتا۔

مورخین جس طبقہ کا نام ہے۔ انھوں نے بت شکنی کے واقعہ کو ایک معجزہ کی صورت میں پیش کر دیا ہے کہ خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت تھے جو سیسے یا سوانگے سے دیوار کعبہ میں جڑے ہوئے تھے۔ جناب رسالتمآب جس بت کے قریب سے گزرتے تھے ایک چھڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی اس کی طرف اشارہ فرماتے تھے اور یہ آیت پڑھ دیتے تھے کہ:

جاء الحق وزهق الباطل — حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بلاشبہ باطل
ان الباطل كان زهوقا — مٹنے والی چیز ہی تھا۔

بس اس کے ساتھ وہ بت منہ کے بل زمین پر آ رہتا تھا بغیر اس کے کہ کوئی شے اس سے چھو بھی جائے۔[1]

لیکن اگر حکمت ربانی اس کی متقاضی ہوتی کہ رسول اس بارے میں صرف اعجاز سے کام لیں تو آپ کے اور خانہ کعبہ میں داخل ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ آپ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے مدینہ ہی سے اگر یہ آیت پڑھ کر یا بغیر آیت پڑھے بھی صرف قصد سے اشارہ فرما دیتے تو تمام کے تمام بت سرنگوں ہو کر ریزہ ریزہ ہو سکتے تھے۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۴۸ تاریخ الوردی ج ۱ ص ۱۳۰
... فی اخبار الحجازی دایر ص ۲۳۴

بہرحال یہ مورخین ہیں جن پر اموی و عباسی سیاستوں کا اثر
خائف محدثین سے بھی زیادہ تھا لیکن حضرت علی کی بت شکنی ایسا زبان زد
خاص و عام واقعہ تھا کہ آزاد زبانوں اور ذہنوں پر جاری و ساری رہا
چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنے قصیدہ میں جس کا نسبتہ اقتباس
پہلے درج ہو چکا ہے اس واقعہ کا خود حضرت امیر کو مخاطب کر کے بڑے
لطیف اور طریقہ پر ذکر کیا ہے جسے مثل سابق تاج العلماء اعلی اللہ مقامہ
کے ترجمہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے وکسرت اصناما طغت حبا لتہا
بحد الوشیج اللدن حتی تکسرا آپ کی برچھی بتوں میں نہیں گڑی بلکہ
گویا ان کے حامیوں کے پرخچے اڑا دیے۔ ذوالفقار نے آپ کی ستارگوں کو
نہ چھوڑا اور گندم گوں نیزہ نے آپ کے بتوں کو توڑا

رقیت باسمی غارب احدقت بہ ملائک یتلون الکتاب المسطرا

بلند ہوئے آپ اس عالیشان شانے پر کہ جس کے گرد حلقہ زدہ تھے ملائکہ
مقربین اور تلاوت کر رہے تھے قرآن مجید کو

بغارب خیر المرسلین واشرف الانام وازکی ناعل وطئ الثری

دوش مبارک پر اس نبی کے کہ سب نبیوں سے افضل تھے اور تمام
دنیا میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔

فسبح جبریل وقدس هیبة وهلل اسرافیل رعبا وکبرا

یہ حال دیکھ کے حضرت جبرئیل و اسرافیل پھولے نہ سماتے تھے اور مارے خوشی
کے بے ساختہ اور بے تحاشہ تکبیریں کہتے تھے اور ہر ہر مومن شکر خدا ادا کرتا تھا۔

فیا رتبة لو شئت ان تلمس السها بها لم یکن ما رمته متعذرا

اللہ اللہ کیا رتبہ پایا آپ نے اور کس بلند مقام پر پہونچے کہ اگر وہاں سے

maablib.com

سہا (ستارے) کو چھونا ہر چند تھے تو بے تکلف چھو لیتے۔

وبیاقدمیه ای قدس وطئتا　　　　وای مقام قمتما فیه النوم

"اے مبارک پاؤں، واہ کیا کہنا کس نورانی مقام پر تم ٹھہرے کہ جہاں جبریل کے بھی پر جلتے تھے۔

وحیث الوصیف الشعشانی فائض　　　　من المصدر الاعلی تبارک مصدرا

اور اس مقام پر کہ جہاں مبدا فیاض سے برابر فیضان نور کے باعث ایک تتق نور کا بندھا ہوا تھا۔

فلیس سواع بعد عما بمعظم　　　　ولا اللات مسجود الدھا دمعفرا

آپ کی بت شکنی کے بعد پھر کسی لات و منات کی پرستش نہ ہوئی اور سواع وعزیٰ کی عزت نہ رہی۔

(اور یعنی جو دھویں رات کا چاند سورج ہوا عطا جو ہوا پر)

مسلمان شہدا

یہ فتح مکہ کی مہم بغیر کسی جنگ کے تکمیل تک پہونچی مگر حق کی راہ میں تین بے گناہوں کا خون زمین پر اس ذات میں بھی بہا دیا۔ علامہ طبرسی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ یہ تین مسلمان اتفاق سے پیچھے رہ گئے تھے اور راستہ بھول کر گروہوں کے حلقہ میں پہونچ گئے اور قتل کر ڈالے گئے۔[1]

اس کے علاوہ خالد بن الولید جس راہ سے داخل ہوئے، وہاں مشرکین نے کچھ مزاحمت کی اور جنگ ہوئی تو مشرکین میں سے ۲۸ آدمی قتل ہوئے اور مسلمان صرف دو شہید ہوئے۔[2]

---

[1] اعلام الوریٰ ص ۱۱۹

[2] تاریخ ابن الوردی ج ۱ ص ۱۳۱

تبلیغی مہمیں

مکہ میں سکون کے بعد حضرت نے اطراف مکہ میں کچھ دستے روانہ کئے انھیں جنگ کرنے کی اجازت نہیں بلکہ اُنھیں صرف توحید الٰہی کی طرف دعوت پر مامور کیا تھا۔ الفاظ تاریخ کی صراحت یہ ہے کہ:۔

یدعون الی اللہ عزوجل — وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں اور

ولم یامرہم بقتال[1] — حضرت نے انھیں جنگ کی اجازت نہیں دی تھی۔

جتنے سردار بھیجے گئے تھے سب نے اس اصول پر عمل کیا مگر خالد بن ولید جب قبیلہ کی طرف بھیجے گئے تھے وہ ان کے قبیلہ بنی مخزوم سے جنگ کرچکا تھا اور ان کے چچا کو قتل کرچکا تھا۔ حالانکہ اسلامی اصول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کی باتوں کا قصاص اسلام کے بعد لینا درست نہیں ہے مگر خالد نے اس اصول کو توڑ دیا اور ان کے مردوں کو قتل کیا اور جنھیں اسیر کیا اُنھیں بھی قتل کرا دیا۔ اُن میں کا ایک آدمی موقع پاکر نکلا اور اس نے پیغمبر خدا کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت سن کر گریہ فرمانے لگے اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:۔

اَللّٰھُمَّ اِنّی ابراء الیک مما فعلہ خالد — پروردگارا میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں خالد کے فعل سے بیزار ہوں۔

پھر آپ نے حضرت علیؑ کو بلاکر کافی مقدار میں سونا دیا اور فرمایا جاکر اُنھیں خون بہا دے کر راضی کر دیں[2]

کاش مسلمان اسلام لانے کے بعد خالد کے حالات پر جو زمانۂ پیغمبرؐ میں

---

[1] اعلام الوریٰ ص۱۱۹
[2] اعلام الوریٰ ص۱۱۹

تھا، نظر رکھتے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد انہیں افواج اسلا[م] کی سپہ سالاری کا ذمہ دار عہدہ تفویض نہ کرتے تاکہ مقاصد اسلامی کو ا[یک] اہم نقصان نہ پہونچتا کہ اسلام دوسروں کی نگاہ میں جارحیت کا مر[تکب] قرار پا جائے۔

قیامِ مکّہ

فتح مکہ کے بعد حضرتؐ بروایتے دس دن اور بروایتے پندرہ دن اور بروایتے سترہ (۱۷) دن یا اٹھارہ (۱۸) دن مقیم رہے مگر اکثر روایتیں سب متفق ہیں کہ اس تمام مدّت میں حضرت نماز قصر کے ساتھ ا[دا] فرماتے رہے۔[1] اس لئے کہ یہ مدّت تذبذب میں گزر رہی تھی۔ آپ نے نیت اقامت عشرہ کی نہیں فرمائی لہٰذا قصر کا حکم جاری رہا جو فقہ امامیہ کے مطابق ہے

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۲۶ رسالۃ الی الجندی العربی من کتاب عیون الاثر الاستاذ السید فرج ط القاہرہ ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ء ص ۱۵۳

غزوۂ حنین

اس کے بعد حنین کی جنگ ہوئی۔ یہ حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے اور اسی طرح اوطاس جس کا ذکر اس کے بعد آئے گا۔ چونکہ یہ جنگیں ان جگہوں پر ہوئی تھیں لہٰذا ان کا نام جنگ حنین اور جنگ اوطاس ہوا اور چونکہ یہ مقابلہ قبیلہ ہوازن سے تھا اس لئے اس کو غزوۂ ہوازن بھی کہتے ہیں۔

مورخین کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ معظمہ ہی سے حضرت رسولؐ اس رزم کے لئے روانہ ہوئے اس لئے کہ قبیلہ ہوازن نے مکہ کی فتح کا حال سننے کے بعد پوری جنگی تیاری کر کے ... کا منصوبہ بنا لیا جو رسولؐ مکہ ہی سے ان کے لئے روانہ ہوئے۔

اور اب مسلمانوں کی جماعت کافی ہو گئی تھی جن میں سے دس ہزار تو وہ تھے جو مدینہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار مکہ سے آپکے ساتھ ہوئے۔ اس کثرت تعداد کو دیکھ کر بعض صحابہ کی زبان سے نکل گیا اب آج ہماری تعداد ایسی کم نہیں ہے کہ ہم مغلوب ہو جائیں۔

ابن سعد نے لکھا ہے

فقال ابوبکر لا تغلب الیوم من قلۃ — ابوبکر نے کہا کہ اب آج قلت تعداد سے ہم مغلوب نہ ہونگے۔

اور بعض نے اسے اختلافی قرار دیا ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر تھے یا کوئی دوسرا

سے ۱ زاد المعاد ابن قیم ... سے ۲ اعلام الوریٰ ص ۱۲۰ ... رسالہ الی الجندی العربی
من کتاب: ابن الاثیر لاسد و بسیمین ج ۲ ط استانبول ۱۳۰۷ھ ۱۹۶۷ء ص ۵۳

maablib.com

جس نے بھی کہے ہوں بہرحال یہ الفاظ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گراں گزرے جس کی طرف قرآن مجید نے بھی نتیجۂ جنگ کے سامنے آنے کے بعد اشارہ فرمایا:۔

ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین	اور حنین کے موقع کو یاد کرو جب تمہاری کثرت نے تمہیں مغرور کر دیا تو اس نے تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا اور تم پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی پھر تم نے پیٹھ پھرا کر فرار اختیار کریں۔
(سورہ برائت آیت ۲۵)	

اسی کی تفصیل تاریخ میں درج ہے کہ ادھر سے مالک بن عوف نضری اپنے ساتھ والے قیس و ثقیف کے قبیلوں کو لے کر نکلا۔ رسول خدا نے ایک صحابی اور صحابی زادے عبداللہ بن ابی حدرد کو خبر لانے کے لئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے جا کر سنا کہ مالک بن عوف اپنی جماعت سے کہہ رہا ہے کہ اے ہوازن کے بہادرو! تم تمام عرب میں سب سے زیادہ طاقتور اور ساز و سامان سے لیس ہو اور تمہارے مدمقابل کا ابھی تک سامنا ایسے لوگوں سے رہا جو سچے معنی میں مردانِ جنگ نہ تھے۔ اب تمہارا کام ہے کہ جب ان کے سامنے جاؤ تو اپنی تلواروں کے نیام توڑ دو اور ایک دم حملہ کر دو۔ ابن ابی حدرد یہ سن کر آئے اور رسولؐ خدا کو خبر دی۔ چونکہ اس میں ذرا فریق مخالف کے جوش و خروش کا اظہار تھا جو اپنی جماعت والوں کے لئے ہراس کا باعث ہو سکتا تھا اس لئے حضرت عمر نے جو بات کو سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے۔ رسولؐ خدا کو بیان خود بہلانا چاہا کہ یا رسولؐ اللہ! ابن ابی حدرد جو کچھ کہہ رہا ہے اس کی سماعت نہ کیجئے۔ اس پر حضرت نے ان کی سرزنش کی اور فرمایا ابن ابی حدرد اپنے قول میں بالکل سچا

گئے

سلمان آگے بڑھے تو نتیجہ وہ ہوا جس کا ذکر ابھی قرآن مجید کی الفاظ میں آ چکا ہے۔ مجبوراً مورخین کو بھی بالاتفاق اسے لکھنا پڑتا ہے چنانچہ حافظ ذہبی نے بڑی بے دردی کے ساتھ گویا ہنستے ہوئے لکھ دیا ہے :-

فذاق یومئذ المسلمون الادبار وثبت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجال[۱]

تو مسلمانوں نے آج کے دن پیٹھ دکھائی۔ بس چند آدمی تھے جو رسول کے ساتھ برقرار رہے۔

جناب جابر بن عبد اللہ انصاری نے اس کی روداد یہ سنائی ہے کہ ہم لوگ چلتے رہے یہاں تک کہ جب حنین کی وادی (پہاڑوں کی درمیانی راہ) میں پہونچے وہاں بہت ڈھالو نشیب راستہ تھا اور وہ لوگ پہلے سے اس وادی میں ادھر ادھر چھپ گئے تھے۔ بس ایک دم سے ان جنگجو کے بڑے بڑے رسالے ہاتھوں میں تلواریں، ڈنڈے گرز اور نیزے لئے ہوئے ٹوٹ پڑے اور (جیسا کہ ان کے سردار نے مخبر کے بیان کے مطابق انھیں ہدایت کر دی تھی) سب ایک ساتھ حملہ آور ہو گئے۔ اس پر تمام آدمی (مسلمان فوج والے) پسپا ہو گئے اس طرح کہ ایک دوسرے کی طرف مڑ کر نہ دیکھتا تھا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داہنی جانب بڑھے اس عالم میں کہ آپکے صرف کچھ صرف ۸ آدمی بنی ہاشم میں کے چند جانباز گھیرے ہوئے تھے۔

علامہ ابن قیم جوزیہ نے لکھا ہے کہ مہاجرین میں سے صرف ابو بکر و عمر اس

اعلام الوری ص۱۳۳ رسالہ الی الجندی مخرج عن کتاب عیون الاثر ط القاہرہ ۱۳۸۶ھ ص۵۳

[۱] العبر فی خبر من غبر ط کویت ص۱۱۴

حجرے میں رک گئے رہے تھے اور پیغمبر خداؐ کے عزیز حضرت علیؑ اور عباس اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب وغیرہ[۱]

بعض مورخین نے اس موقع کا منظر یہ لکھا ہے کہ حضرت علیؑ بن ابی طالب خواص رسول خداؐ کے آگے تلوار کھینچے ہوئے کھڑے تھے۔ عباس بن عبدالمطلب آپ کے مرکب کی لگام پکڑے تھے فضل بن عباس داہنی طرف اور مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب بائیں طرف تھے[۲]

فانهزم جمهور المسلمين ولم يلو احد على احد[۳]

جمہور اہل اسلام نے پسپائی اختیار کی اس طرح کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔

آخر یہ پھر فتح ہوئی تو کس کے ہاتھوں ہوئی؟ جس کے ہاتھ پر ہر اہم معرکہ کی فتح مقدر تھی۔ اسے امام احمد بن حنبل کے قلم سے ملاحظہ کیجیے:

وہ لکھتے ہیں:-

ورجل من هوازن على جمل له احمر بيده راية سوداء في راس رمح طويل امام هوازن وهوازن خلفه اذا ادرك طعن برمحه واذا فاته الناس رفع رمحه لمن وراءه فاتبعوه فبينا هو كذلك اذ هوى عليه علي بن ابي طالب ورجل من

قبیلہ ہوازن کا ایک شخص اپنے سرخ رنگ کے اونٹ پر قبیلہ کے آگے آگے تھا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ جھنڈا تھا ایک بڑے لمبے نیزے کے سرے پر اور ہوازن کی فوج اس کے پیچھے تھی۔ جب فوج کا کوئی اس کے قریب پہنچ جاتا تو وہ اپنے نیزہ کو جھکا دیتا تھا اور جب دور ہٹ جاتا تو نیزہ کو پیچھے والوں کے لئے بلند کرتا تھا۔ اسی دوران میں علی بن ابی

۱؎ زاد المعاد ابن قیم ص ۸ — ۲؎ الارشاد شیخ مفید ص ۲۲

۳؎ الدرر فی اختصار المغازی والسیر ص ۲۳

الانصار بين يدي الله قال فالتقى علي فضرب عرقوبي الجمل فوقع على عجزه فضطربا ذ ضربة اطن ثم منصف لساعة ذ تخفف من رجله قال فاجتمع الناس قال فوالله ما رجعت راجعة الناس من هزيمتهم حتى وجدوا الاسارى عند رسول الله صلى الله عليه وسلم[1]

طالب اور انصار میں سے ایک بہادر دونوں اُسکی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت علی نے بڑھ کر اُسکے اونٹ کے دونوں پیروں پر تلوار لگائی۔ تو وہ اپنے کولھوں کے بل گر گیا۔ انصاری نے چھلانگ لگا کر خود اس شخص پر تلوار لگائی جس نے اُسکے پیر کو قطع کر دیا آدھی پنڈلی تک تو وہ اپنے پیر پر گھسٹتا رینگنے لگا اور لوگ اُدھر سے اُسے اٹھا لے گئے۔ فرار شدہ لوگ ابھی واپس نہیں آئے تھے تو بجائے اُنھیں دشمنوں کے قیدی رسول خدا کے سامنے صاف نظر آئے۔

غزوہ حنین کا ایک تجربہ فراہم ہو گیا۔ وہ یہ کہ اس جنگ میں فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والے یا ہتھیار ڈالنے والے افراد کثرت سے شریک تھے تو وقت کی سختی نے ان میں سے بہت سوں کے دلوں کے اندر چھپے ہوئے جذبوں کو نمایاں کر دیا جس سے پتہ چل گیا کہ بے بسی کے عالم میں اس اظہار اسلام یا ظاہری اتحاد عمل کی کوئی اصلیت نہیں ہے، اسلئے ان افراد پر مسلمانوں کو کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے

بعض مورخین کا تو بیان ہے کہ اس شکست کے بہت بڑے ذمہ دار یہی لوگ تھے کیونکہ ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ سب سے آگے تھا اور اُس نے مشرکین کے حملہ کے ساتھ فوراً ہی اپنے ساتھ والوں کے ساتھ راہ فرار اختیار کی جس کے بعد "بھگدڑ یا دھاندلی" مزاج کی وجہ سے پوری جماعت کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ اس شکست سے خوش ہو کر ابوسفیان چیخ اٹھا کہ لا تنتہی هزیمتهم

---

[1] زاد المعاد صفحہ ۱۸۶ ۔ ۱۸۷ تاریخ طبری صفحہ ۱۶۶۲

دون البحر "بس اب سمندر کے ادھر ان کی پسپائی رک نہیں سکتی"۔ ؎۲

کچھ مورخین نے اس جملہ کے ساتھ کہ اب سمندر کے ادھر ان کا فرار رک نہیں سکتا صراحت کی ہے کہ ابھی تک اس کے ترکش میں ازلام یعنی وہ پانسے جو زمانۂ شرک کی یادگار تھے، موجود تھے۔ ؎۳

صفوان بن امیہ کے سوتیلے بھائی کلدہ نے کہا:

الا بطل السحر الیوم — بس آج کام جادو ختم ہو گیا۔

اس پر صفوان نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ ارے! یہ کیا کفریہ جملہ کہتا ہے بلکہ قبیلہ واری عصبیت کے جذبہ کو بیدار کرتے ہوئے کہا:

اسکت فض اللہ فاک فو اللہ لئن یربنی رجل من قریش احب الی من ان یربنی رجل من ھوازن ؎۴ — ارے خاموش رہ، خدا تیرا منہ توڑے بخدا قریش کا ایک آدمی میرا سرپرست ہے اس سے بہتر ہے کہ قبیلہ ہوازن کا کوئی شخص میرا مالک و سرپرست ہو۔

مطلب یہ تھا کہ اس جنگ میں جو قبیلہ ہوازن سے ہے اگر انھیں فتح ہوئی تو قبیلۂ ہوازن ہم پر مسلط ہو جائے گا۔ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ محمدؐ کا جو ہمارے قبیلہ قریش ہی کے آدمی ہیں، ہم پر تسلط ہو۔

شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ جو قبیلۂ بنی عبدالدار میں تھا اور اس قبیلہ کے کئی علمدار حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوئے تھے جن میں خود اس کا باپ بھی تھا اس نے ارادہ کیا کہ حضرت رسول خداؐ کو شہید کر کے باپ کے خون کا بدلہ لے۔ ؎۵

یہ خاص نازک موقع تھا جس میں حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

؎۱ الامام علی ط بیروت ص ۱۲۳ ؎۲ تاریخ طبری ص ۱۶۶ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۳
؎۳ طبری ص ۱۶۶ کامل ج ۲ ص ۲۶۳ ؎۴ کامل ج ۲ ص ۲۶۳

اپنے مرکب پر دونوں رکابوں پر زور دے کر کھڑے ہو گئے اور پہلے خداوند عالم
سے فتح و نصرت کی دعا مانگی اور پھر مجمع اصحاب کو ایک روایت کے مطابق
حدیبیہ والی بیعت یاد دلائی اور دوسری روایت کے مطابق انصار، مدینہ
اور بالخصوص خزرج کو للکارا تھا۔ اُن کی اس مردانگی بہ سختی کے ساتھ
متنبہ فرمایا اور جناب عباس کو جن کی آواز بہت بلند تھی فرمایا کہ وہ مسلمانوں
کو پوری طاقت سے صدا دیں۔ اس سب کا اثر تھا کہ بھاگی ہوئی مسلمانوں کی
جماعت سمٹ کر حضرت کی آواز پر آنے لگی۔

اس موقع پر وہ مشہور ہیں جو حضرت کی زبان مبارک پر آئے ہیں اور
چونکہ کبھی حضرت نے شعر نظم نہیں فرمایا، اس لئے وہ ایک شعر کے جزو تاریخ
بن گئے۔

انا النبی لا کذب — انا ابن عبد المطلب

"میں نبی ہوں، جھوٹا نہیں ہوں۔ میں عبد المطلب کا فرزند ہوں"

اس موقع پر جیسا کہ تاریخ اور حدیث نے بتایا ہو مگر حقیقتاً الفاظ بیان سے
ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت میں فوج اسلام کی اس شکست
پر حدیبیہ کی طرح حضرت کی حقانیت کے بارے میں کچھ شک و شبہ کا دور
دورہ ہو گیا تھا۔ ورنہ اس نعرے کی ضرورت نہ تھی کہ میں نبی ہوں۔
غلط گو نہیں ہوں۔

۱؎ طبری ص ۱۳۲ کامل ج ۲ ص ۲۶۳

ایک باحمیت خاتون کا غصّہ

میدانِ حنین سے یہ فرار " مجاہدین اسلام " کا کتنا شرمناک تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ اتفاق سے ایک خاتون امّ سلیم بنت ملحان اپنے شوہر ابوطلحہ کے ساتھ اس جنگ میں آگئی تھیں اور ہاتھ میں " داشتہ آید بکار " کے طور پر ایک خنجر لے کے آئی تھیں۔ وہ اس موقع پر ابوطلحہ کے اونٹ کو سنبھالے ہوئے جنگ کا نقشہ دیکھ رہی تھیں، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُدھر سے گزرے اور فرمایا امّ سلیم! تم یہاں کہاں کھڑی ہو!

اُنھوں نے کہا حضور! آپ ان مشرکوں سے جنگ کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان بدنصیب مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کردوں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگے چلے جارہے ہیں کیونکہ وہ یقیناً قتل کے مستحق ہیں۔

رسولؐ نے اس کی اس بات کو رد نہیں فرمایا کہ وہ واجب القتل ہیں بلکہ فرمایا اَو یَکفی اللہ یا امّ سلیم جس کا مطلب ہماری زبان میں یہ ہوا کہ جانے دو! اے امّ سلیم! اللہ ان سے سمجھے گا[1]

انجامِ فتح مظفر

آخر میں شکست نے فتح کی صورت اختیار کی جس کے لئے قرآن مجید

---

[1] طبری ۳-۱۲۵

کا ارشاد ہے :-

فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین و انزل جنودا لم تروھا۔ - اللہ نے اپنا سکون واطمینان اتارا اپنے پیغمبر اور سچے مسلمانوں پر اور وہ فوجیں اتاریں جنھیں تم نے آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

اس طرح یہ دوسرا موقع تھا کہ افواج ملائکہ رسول کی نصرت کے لئے بھیجے گئے مگر جنگ بدر میں اور اس جنگ میں یہ فرق بتایا گیا ہے کہ بدر میں ملائکہ نے جنگ بھی کی تھی اور اس موقع پر صرف مسلمانوں کی تقویت قلب کے لیے ملائکہ نازل ہوئے تھے

بہرحال نتیجہ مشرکین کے توقعات کے اتنا خلاف نکلا کہ اُن کا شدید جانی نقصان ہوا اور مسلمانوں کا نقصان نہ ہونے کے برابر رہا۔ یعنی اُدھر کے ستر سے زیادہ قتل ہوئے اور مسلمانوں میں سے صرف چار آدمی شہید ہوئے۔ یہ معرکہ ۱۰ شوال کو وقوع میں آیا

کثرت سے لونڈی غلام اور اموال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئے ایک روایت میں ہے کہ چھ ہزار قیدی اور بارہ ہزار اونٹ اور اسکے علاوہ بے شمار نقد وجنس مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

بعض مورخین اموال غنیمت کی مقدار اس سے بھی زیادہ بتاتے ہیں اس طرح کہ ۲۴ ہزار اونٹ چالیس ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں اور تقریباً ایک من چاندی

---

۵۲ رفیقۃ الاسلاف ص ۱۲۳ ۵۳ اعلام الوری ص ۱۲۱
۵۴ ابن الوردی ج ۱ ص ۲۳۲

جنگ اوطاس و طائف

حنین کے شکست خوردہ مشرکین دو گروہوں میں بٹ گئے۔ صحرائی عرب اور اُن کے ساتھ بہت سے اور لوگ اوطاس گئے اور قبیلۂ ثقیف اور اُن کا ساتھ دینے والوں نے طائف میں جا کر پڑاؤ ڈالا اور دونوں گروہوں نے اپنی اپنی جگہ مورچہ بندی شروع کر دی۔ حضرت نے ابو عامر اشعری کو تھوڑی فوج کے ساتھ اوطاس کی طرف بھیجا اور انھوں نے جا کر جنگ کی یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے تو اُن کے چچا زاد بھائی ابو موسیٰ اشعری نے علم لشکر سنبھالا اور فتح حاصل کی۔[1]

شوال کے مہینہ میں طائف کی طرف خود حضرت متوجہ ہوئے اور وہاں دس دن سے زیادہ محاصرہ رکھا۔

آخر کو جنگ ہوئی جس میں اُن کے سردار کو حضرت علی بن ابی طالبؑ نے قتل کیا اور باقی افراد نے شکست کھائی۔[2]

---

[1] تاریخ ابی الفداء ج ص [illegible]

[2] تاریخ ابن الوردی ج ص ۱۳۳

مال غنیمت کی تقسیم پر کچھ انصار کی برہمی
اور
پیغمبرؐ خدا کا معجز آفرین خطبہ

اوطاس اور طائف کی مہموں کے بند ہونے کے بعد جب اطمینان حاصل ہوا تو حضرتؐ نے اُن کثیر اموال غنیمت کو جو حنین سے اب تک حاصل ہوئے تھے جتنے اس کے پہلے غزوات اسلامی میں کبھی نہیں ملے تھے ان نو مسلموں پر جنھوں نے فتح مکہ میں اظہار ایمان کیا تھا تقسیم فرما دیا یہاں تک کہ کافی تعداد میں ایسے لوگ تھے جنھیں سو سو اونٹ ملے۔ اس پر انصار کے ایک طبقہ میں چہ میگوئیاں ہوئیں اور بعض نے کہا کہ اپنی قوم کے لوگ مل گئے تو اب ہمارا کوئی خیال نہیں، حالانکہ مصیبت کے وقت ہمیں کام آنے والے ہیں۔

حضرت کو اس کا علم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ انصار سب جمع ہو جائیں اور اس مجمع میں انصار کے باہر کا کوئی آدمی نہ رہے۔ پھر آپ غضبناک صورت سے تشریف لائے اور حضرت علیؑ آپ کے پیچھے تھے۔ آپ نے اُنکے بیچوں بیچ میں جا کر تقریر فرمائی اور اُن کے پہلے کی حالت اور پھر آپ کی تشریف آوری سے اُن میں جو انقلاب پیدا ہوا، اُسے یاد دلایا۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے کہ میرے آنے سے پہلے تم سب ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمھارے دلوں میں باہمی الفت پیدا کر دی؟ انھوں نے کہا بے شک ایسا ہی ہے۔ پھر فرمایا کہ کیا ایسا نہیں کہ میرے آنے سے پہلے تم اذیت میں تھے، میرے آنے کے بعد

تم اکثریت میں ہو گئے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور ہر بات کو وہ مانتے رہے
۔۔۔ اب آپ نے انداز کلام بدلا۔ فرمایا میری بات کا تم جواب کیوں نہیں دیتے
کہنے لگے کہا ہم کیا جواب دے سکتے ہیں؟ آپ کے احسانات تو ہم پر
بے شمار ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اگر تم چاہو تو میرے جواب میں یہ کہہ سکتے ہو
کہ آپ ہمارے پاس اس عالم میں آئے کہ آپ کی قوم والوں نے آپ کو نکال
دیا تھا اور وہ سب آپ کو جھٹلا رہے تھے، ہم نے آپ کو پناہ دی اور آپ کی
تصدیق کی۔ آپ ہمارے پاس خوف و دہشت کے عالم میں آئے۔ ہماری بدولت
آپ کو امن کی گود ملی۔ جب آپ اتنے کہنے پائے تھے کہ ان میں چاروں طرف سے
گریہ وزاری کی صدائیں بلند ہو گئیں اور بڑے بوڑھے اور معزز افراد دوڑ کر آپ
کے ہاتھوں، پیروں اور گھٹنوں کے بوسے لینے لگے اور کہا اللہ اور رسول کے
فیصلے سے ہم کہیں ناراض ہو سکتے ہیں؟ خود ہمارے اموال بھی آپکے اختیار
میں ہیں۔ انھیں بھی آپ چاہیں تو ان قوم والوں میں تقسیم فرما دیجئے۔ حضرت
نے فرمایا کہ میں نے انھیں یہ مال دیا ہے ان کی تالیف قلب منظور تھی، اور
تمھیں میں نے تمھارے خلوص و ایمان کے حوالے کیا۔ کیا تم اس سے خوش نہیں ہو
دوسرے لوگ بھیڑ، بکریاں، اونٹ لے کر جائیں اور تم خود رسول کو لیے ہوئے
اپنے گھروں میں ہو۔ ظاہر ہے کہ ان الفاظ سے ان میں بالیدگی پیدا ہوئی۔ اب حضرت
نے مزید سرمایہ فخر ان کے لئے فراہم کیا۔ فرمایا "انصار میرے خاص بھروسے
والے ہیں۔ اگر دنیا ایک طرف جائے اور انصار دوسری طرف تو میں انصار
کی طرف جاؤں گا۔ خداوندا انصار کو بخش دے۔ انصار کی اولاد اور اولاد اولاد
کو بخشش سے مالامال فرما[1]

---

[1] اعلام الوریٰ ص ۱۲۳-۱۲۶

تاریخ کی صراحت ہے کہ اس پر انصار میں گریہ کا شور ہوا اور عالم یہ ہوا کہ داڑھیاں آنسوؤں سے ہوگئیں اور سب چیخ چیخ کر کہنے لگے کہ پیغمبر خدا کو اپنے حصہ میں لینے پر بالکل راضی و خوشنود ہیں[1]

جنھوں نے تفصیل سے یہ واقعہ نہیں لکھا ہے انھوں نے بھی مجملاً پورا واقعہ اور خاص طور پر وہ جملے آخر کے جن سے انصار بہت متاثر ہوئے، نقل کئے ہیں[2]

علامہ ابن کثیر نے اس واقعہ کو اس کی مختصر اور بسیط تمام صورتوں کے ساتھ متعدد طریق سے اپنی کتاب کے چار صفحوں میں درج کیا ہے[3]

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۷۲

[2] ابوالفداء ج ۱ ص ۱۵۵

[3] البدایة والنهایة ج ۳ ص ۳۵۵-۳۵۹

غزوۂ تبوک

سرزمین شام پر جو سلطنت روم میں داخل تھی، رسولؐ کے قاصد کے قتل کئے جانے اور پھر موتہ کی جنگ کے بعد سے سلطنت روم کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے تصادم کا آغاز ہو گیا تھا۔

اب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قیصر روم نے فوجیں جمع کی ہیں اور مدینہ پر حملہ کا ارادہ ہے۔ چونکہ بظاہر سلطنت روم سے مقابلہ تھا جس کا تجربہ جنگ موتہ میں ہو چکا تھا اس لئے فراہمی لشکر میں غیر معمولی اہتمام کیا گیا۔ تمام قبائل عرب کے پاس جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، جہاد پر ترغیب و تحریص کے لئے خطوط روانہ ہوئے اور عتاب بن اسید کو جنھیں مکہ میں بطور گورنر مقرر کیا گیا تھا، خط بھیج کر اہل مکہ کو رومیوں سے جنگ پر آمادہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر تمام مسلمانوں کو جمع کر کے حضرتؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اُن سے مالی امداد کے لئے اپیل کی گئی چنانچہ جو صاحب حیثیت افراد تھے، انھوں نے دل کھول کر امداد کی اور ایسے غریب مسلمانوں کے لئے جن کے پاس اتنا میسر نہ تھا کہ وہ ضروریات سفر فراہم کریں، سامان فراہم کیا گیا۔ اس مالی امداد میں مومنین کے ساتھ منافقین اور مؤلفۃ القلوب نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

خالق کو تو معلوم تھا ہی کہ اس مہم میں جنگ ہونا نہیں ہے، اس لئے میدانوں کا سر کرنا جس کا کام تھا، اُسے اس مہم میں ساتھ نہیں لیا گیا اور مدینہ میں چھوڑ دیا۔ بس فقط چھوڑا ہی نہیں بلکہ یہ تاریخی جملہ بھی

ارشاد فرمایا کہ :-

لابد للمدینۃ منی او منک — مدینہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ یا میں رہوں یا تم رہو۔

منافقین اور بدخواہوں کو تو چہ میگوئیوں کے لئے کچھ بہانہ چاہیئے۔ اُنھوں نے کہنا شروع کیا کہ رسول ص علی سے ناراض ہیں۔ اس لئے اب کی اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔ یہ چرچا اتنا بڑھا کہ حضرت علی ع کو حقیقت حال کا انکشاف رسول ص کی زبان سے کروانے کے لئے مدینے سے نکل کر رسول ص کی خدمت میں جانا پڑا اور جو زخم زبان پہونچ رہے تھے اُن کے سبب سے اپنی اذیت کا اظہار کیا جس پر حضرت نے دوسرا تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو یکساں طور پر حدیث اور تاریخ دونوں کا جزو ہے :-

اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھٰرون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی — کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(التنبیہ والاشراف المسعودی ص۲۳۵)

حیاتے وقت والا جملہ :-

انہ لابد للمدینۃ منی او منک

اور اب دوسرا جملہ، ان دونوں نے ہمیشہ کے لئے آپ کے جانشین رسول ص ہونے کی حقیقت کو نمایاں سے نمایاں کر دیا۔

حضرت حدود شام میں تبوک کے مقام پر شعبان کے آخر تک ٹھہرے اور پھر ماہ رمضان کے کچھ دن وہیں گزارے۔ اس دوران میں یہ بھی بنیں کہ آپ نے ہرقل قیصر روم کو جو لفقوے حمص اور بقوے دمشق میں اس

وقت موجود تھا، اپنی نقل و حرکت سے بے خبر رکھا ہو بلکہ اس دوران میں آپ کی اُس سے کچھ خط و کتابت رہی ہو۔[1]

یہ سلطنت روم سے بے خوفی کا عملی مظاہرہ مسلمانوں میں اخلاقی مضبوطی اور اطراف و جوانب کے لوگوں پر اسلامی طاقت کے استحکام کا اثر قائم کرنے کا ذریعہ ہوا جس سے چاروں طرف اسلام اور مسلمانوں سے مرعوبیت کا اثر پھیل گیا۔ چنانچہ ادھر ادھر کے چھوٹے چھوٹے صاحبانِ اقتدار آ آ کر پیغمبر اسلامؐ کے پاس آ کر جزیہ دینے پر تیار ہوئے۔ گویا بجائے سلطنت روم کے باجگذار ہونے کے اسلام کے باجگذار ہو گئے جن میں ایلہ اور جرباء اور اذرح کے نام تاریخ میں موجود ہیں۔[2]

اس حکمت عملی کا جو رسولؐ نے یقیناً فرمان الٰہی اختیار فرمائی تھی رسولؐ کے بعد والے فتوحات کی کامیابی میں بڑا دخل تھا اور اس سے خالق کے اُس مقصد کو تقویت پہنچی جو اُس نے پیغمبرؐ کو خصوصیت خاص رعب و ہیبت کی عطا فرمائی تھی جس نے فتح و ظفر کی زمین کو در اصل آپ کے لئے اور بہتری نتیجہ کے طور سے آپ کے نام پر آگے بڑھنے والوں کے لئے ہموار بنا دیا جس کا اظہار خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ نصرت بالرعب

"اللہ کی طرف سے میری مدد رعب و ہیبت کے ہوتی رہے۔

---

[1] التنبیہ والاشراف ص۲۳۶ [2] التنبیہ والاشراف ایضاً

رسول ؐ کی جان لینے کا منصوبہ

مخالفین اسلام اب پیغمبر خدا ؐ کے فتوحات سے چوندھیا گئے تھے۔ سلطنت روم کے مقابلہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بذات خاص تشریف لے جانے کے سابق جنگ موتہ کا انجام دیکھتے ہوئے انھیں بڑی امید وابستہ تھی کہ اس جنگ سے رسول ؐ زندہ سلامت واپس نہیں آسکتے لیکن انھیں بڑی مایوسی ہوئی جب آپ کو سرزمین مقبوضہ روم میں کافی طولانی قیام کے بعد بھی کوئی گزند نہ پہونچا اور آپ صحیح و سالم اپنے مستقر کی طرف واپس تشریف لے جارہے ہیں تو اب انھوں نے طے کر لیا کہ ہم رسول ؐ کو زندہ واپس جانے نہیں دیں گے۔ اس کے لئے انھوں نے منصوبہ بنایا کہ تاریکی شب میں جب آپ پہاڑ کی گھاٹی سے گذر رہے ہیں تو ایسی ترکیب کریں کہ آپ گہرے غار کھڈ میں گر جائیں۔

قدرت کی کارسازی سے رسول ؐ کو اس کا علم ہو گیا۔ چونکہ یہاں سے دو راستے تھے۔ ایک ذرا دور کا میدانی راستہ تھا اور ایک نزدیک کا گھاٹی کا راستہ تھا۔

حضرت ؐ نے عام مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ میدانی راستے سے جائیں۔ کہ اس میں بہت سے آدمی ایک ساتھ گزر سکتے ہیں اور حضرت ؐ نے خود اس گھاٹی کے راستے سے روانہ ہوئے۔

تمام مسلمان اُس میدانی راستے کی طرف مڑ گئے مگر یہ لوگ جنھوں نے منصوبہ بنایا تھا آپ کے پیچھے اسی راستے سے چلے۔ حضرت ؐ نے جناب حذیفہ یمانی اور عمار بن یاسر کو حکم دیا کہ وہ یا زیادہ ساتھ چلیں۔ عمار ناقہ کی مہار ہاتھ

میں لیں اور حذیفہ پیچھے سے اُسے ہنکاتیں اس دوران میں پیچھے سے ان لوگوں کے مرکبوں کے پیروں کی آہٹ ملی جنھوں نے پیغمبر خدا کے حکم کے خلاف عمل کرکے وہ راستہ اختیار نہیں کیا تھا اور اپنے منصوبہ کے تحت آپ کے ساتھ ساتھ آرہے تھے۔

حضرتؐ اس عدول حکمی پر غضبناک ہوئے اور حذیفہ کو حکم دیا کہ جاکر ان لوگوں کو واپس کرو، وہ حضرتؐ کے حکم سے اس خاص قسم کی لاٹھی لئے ہوئے بڑھے اور اُن کے مرکبوں کے منھ پر وہ لاٹھی مار مار کر اُنھیں پیچھے کی طرف موڑا اور اُن لوگوں کو دیکھا کہ وہ ڈھاٹا باندھے، منھ چھپائے ہوئے ہیں۔

مثل مشہور ہے کہ "چور کا دل ہی کتنا ہوتا ہے" حذیفہ کے اس طرح لاٹھی مار کر بھگانے سے وہ سمجھے کہ ان کا منصوبہ کھل گیا ہے اور اُن پر رعب ایسا چھایا کہ وہ بے تحاشا بھاگ کر فوری فوج میں جا دوسرے راستے سے جارہی تھی، جاکر اس میں شامل ہوگئے۔ حذیفہ واپس آئے، رسولؐ نے فرمایا اے حذیفہ! لیں اب تم مرکب کو تازیانہ لگاکر تیزی سے بڑھاؤ اور تم عمار! پاپیادہ چلو اور اب آپ سرعت کے ساتھ اس راستے کو طے کرکے گھاٹی سے باہر نکل گئے فوج کے باقی لوگوں کا انتظار فرمانے لگے جو اُس طولانی راستے سے آرہے تھے اور ابھی یہاں نہیں پہونچے تھے۔

حضرتؐ نے حذیفہ سے فرمایا کہ تم نے پہچانا؟ کہ یہ لوگ کون تھے؟ انھوں نے عرض کیا وہ لوگ خود تو ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے اس لئے پہچانے نہیں جاسکتے تھے مگر میں فلاں فلاں شخص کے مرکب کو پہچانتا ہوں۔ فرمایا جانتے ہو؟ ان کا منصوبہ کیا تھا؟ انھوں نے کہا نہیں، یارسول اللہؐ! فرمایا

ان کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے آئیں اور جہاں راستہ تنگ ہو
اور انھیں موقع ملے وہ مجھے کھڈ میں گرا دیں۔ حذیفہ اور عمار نے کہا:
پھر یہ لوگ تو یارسول اللہؐ! واجب القتل ہیں۔ جب آپ کے پاس آئیں
تو ان کی گردن مارنے کا حکم دے دیجیے۔ فرمایا نہیں، مجھے یہ پسند نہیں کہ لوگوں
میں ایسا چرچا ہو کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کراتے ہیں۔
اس کے بعد فرمایا تم دونوں ان اشخاص کے ناموں کو راز میں رکھنا
اور اعلان نہ کرنا۔

تاریخ کے علاوہ کتب رجال اور حالات صحابہ کی کتابیں بتاتی ہیں
کہ اس واقعہ کی وجہ سے حذیفہ صاحب سر رسول اللہ یعنی پیغمبرؐ کے
راز کے حامل کہے جاتے تھے اور انھوں نے عمر بھر رسولؐ کی ہدایت پر عمل کیا
اور ان لوگوں کی شخصیت کا اظہار نہیں کیا۔

خود اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ لوگ نہ وہ عبداللہ بن ابی راس المنافقین
کی پارٹی کے افراد نہ تھے جن کا نفاق عموماً شہرت اختیار کر چکا تھا، بلکہ
ان میں کچھ معزز شخصیتیں شامل تھیں جن پر پردہ پڑا ہوا تھا اور تاریخ میں
تابعین میں کے ایک بڑے وسیع النظر محدث اور مورخ اعمش کا صراحۃً
یہ قول ہے کہ یہ بارہ آدمی تھے جن میں سات قریش میں کے تھے[1]

مسعودی نے اس واقعہ کو مجملاً اس طرح نقل کیا ہے کہ:

فی انصرافہ من غزوۃ تبوک	رسولؐ غزوہ سے واپسی میں کچھ منافقوں نے
ھم عدۃ من المنافقین بہ	رات کے وقت بے خبری میں آپ کی جان لینے
عتیالہ صلی اللہ علیہ وسلم	کا اور آپ کو کھڈ میں ڈالنے کا ارادہ کیا

---

[1] اعلام الوریٰ ص۱۱۶

لیلاً والقائه فی الثنیة و هم المعروفون ... اصحاب العقبة فحال الله بینه و بین ما ارادوا فیه و ظهره علیهم وقد اتینا علی شرح خبرهم و اسمائهم فی کتاب (الاستذکار) عنه ذکرنا هذه الغزوة ۱؎

اور یہ جماعت تاریخ میں اصحاب عقبہ (گھاٹی والے لوگ) جو نام سے مشہور ہے مگر اللہ ان کے مقصد میں سد راہ ہوا اور اس نے آپ کو اُن منصوبوں سے مطلع کیا اور ہم نے اُن کے واقعہ کی تفصیل اور ان کے نام کتاب الاستذکار میں اس غزوہ کے حالات تک درج کئے ہیں۔

افسوس ہے کہ مؤرخ مذکور کی کتاب "الاستذکار" جس کا انھوں نے حوالہ دیا ہے، ہمارے علم میں اب اُس کا کہیں وجود نہیں ہے اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان ناموں کی فہرست کیا ہے؟

پھر ایک بات یہ قابل غور ہے کہ جب ان ناموں کا حذیفہ کے سینہ میں بطور راز رہنا ہمیں متواتر معلوم ہے تو یہ فہرست کسی راوی کی اپنے ذہن اور قیاس سے مرتب کی ہو سکتی ہے جس کا قطعی طور پر کوئی وزن بھی نہیں جا سکتا۔

ایک عجیب بات بعض کتابوں میں یہ درج ہے کہ حضرت عمر نے کئی بار حذیفہ سے پوچھا کہ میں تو اُس گروہ میں نہ تھا؟ اور انھوں نے ان کے چھیڑنے کے باوجود سمجھنے کے ساتھ رسول کے راز کو راز رکھا اور ہر اس سوال کے جواب سے مناسب انداز میں کترا گئے اور کوئی وضاحت نہیں کی

مراجعت :-

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے جب

۱؎ التنبیہ والاشراف صفحہ ۳۳۶

حضرت کے الفاظ میں ایک خاص اظہار مسرت کی کیفیت محسوس ہوتی ہے ممکن ہے وہ اس لئے بھی ہو کہ تمام طور پر منافقین اس مہم کو بڑا پرخطر محسوس کرتے تھے اور آپس میں یہ کہتے تھے کہ اب یہ زندہ واپس بخیریت آئیں گے اور ممکن ہو اس منصوبہ کے ناکام ہونے کا بھی احساس ہو جو آپ کی جان لینے کے لئے کیا تھا اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ مدینہ میں آنے کے بعد شاید اتنی طولانی جدائی مدینہ سے اب تک نہیں ہوئی تھی جتنی اس مرتبہ ہوئی اور پھر اس میں انصار کی دلجوئی بھی تھی کہ مجھے تمہارا ہی شہر پسند ہے چنانچہ جب آپ داخل ہو رہے تھے تو خوش ہو کر فرمایا: "ھذہ طیبة" "یہ طیبہ کی سرزمین آگئی۔ اور کوہ احد کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس پہاڑ کو ہم سے محبت ہے اور ہم کو اس سے محبت ہے۔[1]

ہمارے نزدیک ان باتوں کو اس گفتگو کا تتمہ سمجھا جا سکتا ہے جو مال غنیمت کی تقسیم پر کچھ انصار کے اظہار ناگواری کے موقع پر ہوئی تھی، جب حضرت نے فرمایا تھا کہ وہ مال و دولت لیکے واپس ہوں گے اور تم خود رسول کو اپنے ساتھ لے کر واپس جاؤ گے تو تمہارے نزدیک کون نفع زیادہ ہے؟ ان تمام کیفیات سے اس کا اظہار ہو رہا تھا کہ آپ کو اب مکہ سے وہ وابستگی نہیں ہے جو مدینہ سے قلبی لگاؤ ہے۔

تاریخ کی صراحت ہے کہ یہ تبوک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

---

[1] اعلام الوریٰ ص ۱۳۳

زندگی کا آخری غزوہ تھا اور عام مسلمان تو اس وقت اس شدت کی گرمی میں اس دور دراز کے سفر کی اہمیت محسوس نہیں کر رہے تھے مگر آج مورخ اس کی قدر و قیمت محسوس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تبوک کی مہم میں ہمت و عزم کے ساتھ روم کی سرحد پار کر کے اس کے قلمرو کے مملکت میں اتنے طویل عرصہ تک قیام اور اطراف و جوانب کے امیروں کے سر اطاعت خم کرنے سے جزیرہ نمائے عرب یا قلمرو اسلامی کو کسی حملہ کا خطرہ نہیں رہا۔[5]

ایک بڑے موذی سے چھٹکارا

تبوک سے حضرت کی واپسی کے بعد رأس المنافقین عبداللہ بن ابی کی موت ہو گئی اور مسلمانوں کو اس بہت بڑے مار آستین سے نجات ملی۔

---

[5] حیوٰۃ محمد، محمد حسین ہیکل، مطبوعہ مصر ۱۳۵۴ھ ص ۴۳۶

تبلیغ سورۂ برأت

سنہ ۹ھ میں سورۂ برأت اتری جس میں آنحضرت سے مشرکین کا داخلہ مکہ میں بند کیا گیا تھا۔ تاریخ و حدیث کی متفق علیہ حقیقت ہے کہ پہلے رسول خداؐ نے سورہ کی ان آیات کو حضرت ابوبکر کے سپرد کیا اور پھر پیغام ربانی کی بنا پر آپ نے ان سے واپس لے کر حضرت علیؑ کے سپرد کیا۔ اس پیغام کے الفاظ کیا تھے؟ ایک روایت یہ ہے کہ اس میں نام کی صراحت تھی کہ ان آیتوں کو یا آپ پہونچائیے یا علی ابن ابی طالب [1]۔

دوسری روایت یہ ہے کہ پیغام یہ تھا کہ:

لا یبلغ ھذا الا انت او رجل من اھلک [2] — اسے بس یا تو آپ خود پہونچائیے یا ایسا شخص جو آپ کے اہل میں سے ہو۔

اگر یہ لفظیں ہیں تب بھی بار سوال سے ثابت ہوا کہ "اہل" کا عنوان باہلی فرد پر منطبق نہ تھا حضرت علیؑ ہی اس کے مصداق ہو سکتے تھے۔

۱؎ اعلام الوریٰ ص ۱۳۱ ۲؎ تاریخ یعقوبی ط بیروت ۱۳۷۹ھ / ۱۹۶۰ء ص ۷۹

ظاہر ہے کہ آپ کے لئے حضرت علیؑ ہی ایسا جری اور فصیح اللسان خطیب ہو سکتا تھا اور پھر ایسا جس کی ہیبت ان کے دلوں پر قائم ہو کر وہ اس وقت کی دنیائے شرک کے حلقہ میں کھڑے ہو کر صرف سورہ کی تلاوت ہی نہ کرے بلکہ بحیثیت ذمہ دار مخبرؐ کے خود اپنے لفظوں میں پرامین "حکیم نادری" کیا "فرمانِ خسروی" سنا دے جیسے مصری مورخ نے اس طرح لکھا ہے کہ

وقف علي في الناس وهم يؤدون
مناسك الحج فتلا عليهم هذه
الآيات من سورة التوبة.
فلما اتم تلاوتها وقف هنيهة
ثم صاح بالناس: ايها
الناس! ايها الناس انه
لا يدخل الجنة كافر ولا يحج بعد العام
مشرك ولا يطوف بالبيت عريان
ومن كان له عند رسول الله
عهد الى مدته. صاح علي بها
الناس بهذه الاوامر الاربعة

حضرت علیؑ مجمع میں کھڑے ہوئے جب کہ
وہ لوگ مناسک حج ادا کر رہے ہیں تو
آپ نے سورۂ توبہ کی ان تمام آیتوں کو
پڑھ کر سنایا۔ جب تلاوت ختم کر چکے تو ذرا
ٹھہرے پھر بلند آواز سے مجمع کو مخاطب
کیا اے لوگو! (مجمع مخاطب ہوا تو فرمایا)
اے لوگو! یقین مانو کہ بہشت میں کوئی
کافر نہیں جائے گا اور اس سال کے بعد
سے کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور
خانہ کعبہ کا کوئی برہنہ طواف نہیں کرے گا
اور جس کا پیغمبر خدا سے کوئی معاہدہ ہو اس کو

لقد اجل الناس اربعة اشهر
بعد ذلك اليوم فيرجع كل قوم
الى مامنهم وبلادهم
ومن يومئذ لم يحج مشرك
ولم يطف بالبيت عريان
ومن يومئذ وضع الاساس
الذى تقوم عليه الدولة
الاسلامية ۔

پھر لکھتے ہیں :۔

والحرص على ان يدرك
العرب جميعا هذا الاساس
هو الذى دعا عليا الى ان
لا يكتفى بقراءة هذه الآيات
من براءة يوم الحج على ما
اتفقت عليه الروايات بل جعل
يقرؤها على الناس من بعد
ذلك فى منازلهم على ما جاءت

اتنی مدت تک کے لئے۔
حضرت علی نے چیخ چیخ کر چار مہینے
پھر ان تمام لوگوں کو آج کے بعد سے چار
مہینے کی مہلت دی کہ ہر گروہ اپنے اپنے
مقام اور اپنے ملک تک پہونچ جائے۔
اور بس آج کے دن پھر کسی مشرک نے حج
نہیں کیا اور کسی نے برہنہ حالت میں کعبہ کا
طواف نہیں کیا اور آج کے دن سے وہ بنیاد
قائم ہوئی جس پر اسلامی حکومت کی عمارت
قائم ہوئی۔

اور خواہش کرتا ہوں کہ تمام
عرب اس بنیاد کو سمجھ لیں حضرت علی کے
لئے اس کی باعث ہوئی کہ انھوں نے
صرف سورۂ برات کے ان آیت کو پڑھ
دینے پر اکتفا نہیں کی جس پر تمام روایتیں
متفق ہیں بلکہ جیسا کہ بہت سی روایتوں
میں ہے، وہ گھروں پر جا جا کر لوگوں کے

سامنے ان آیتوں کو پڑھ پڑھ کر سنانے لگے
بہ روایات کثیرہ۔
(حیات محمد۔ محمد حسین ہیکل مطبوعہ قاہرہ ۱۳۵۴ھ ص ۴۵۷-۴۵۸)

بیرونی قبیلوں پر ان فتوحات کا اثر

ان پے در پے فتوحات کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی دھاک اطراف و جوانب کے قبیلوں پر بیٹھ گئی چنانچہ قبیلہ بنی ثقیف کی ایک ممتاز شخصیت عروہ بن مسعود ثقفی نے آکر اسلام قبول کیا اور اس کے بعد وہاں کے دس آدمی عمائد میں سے آکر مسلمان ہوئے جس کا اثر پورے قبیلہ پر پڑا۔ اب نجد کے بنی تمیم کے سرکش لوگ اور بڑے بڑے سردار عطارد ابن حاجب، اقرع ابن زبرقان ابن بدر۔ قیس بن عاصم عیینہ بن حصن فزاری اور عمرو بن اہتم تمیمی آکر مسلمان ہوئے۔ بنی طے کا وفد آیا جس میں زید الخیل اور عدی ابن حاتم تھے۔ ابن اسحٰق کی روایت یہ ہے کہ پہلے حاتم طائی کی بیٹی اسیر ہو کر آپ کے پاس آئی۔ آپ نے اس کے باپ حاتم کی ضرب المثل فیاضی کی بنا پر اس کی بیٹی کی بڑی عزت کی اور غیر معمولی مراعات سے کام لیا۔ جس کا اس کے دل پر اثر ہوا اور اس نے جاکر اپنے بھائی عدی بن حاتم کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔

اس کا حضرت نے اتنا اعزاز و اکرام کیا کہ اپنے ہاتھ سے مسند کے طور پر ایک گدا اُس کی طرف بڑھایا کہ وہ اُس پر بیٹھے۔[۱]

بعض مؤرخین نے صراحتہً لکھا ہے کہ حضرت خود زمین پر بیٹھے اور اُسے مسند پر بٹھایا۔[۲] اس نے بہ طیب خاطر اسلام قبول کیا۔

ظاہر ہے کہ یہ تو حالات کا دباؤ تھا جو یہ سب اسلام لا رہے تھے مگر ہر ایک کی قلب ماہیت ایک دم تھوڑی ہو سکتی ہے چنانچہ عمر بن معدی کرب ایک بڑا نامی گرامی مشہور و معروف عرب کا وہ بھی آ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوا مگر تھوڑی ہی دیر میں ایک مسلمان کا گلا پکڑے ہوئے پیغمبر خدا کے سامنے لایا اور کہا اس بدمعاش نے میرے باپ کو قتل کیا تھا، اس لئے میری داد دلوائیے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصول اسلامی کے مطابق جواب دیا کہ جو کچھ جاہلیت میں ہو چکا، اس کا بدلہ اسلام اختیار کرنے کے بعد نہیں لیا جا سکتا۔ یہ سن کر وہ برہم ہوا اور دوبارہ اسلام سے منحرف ہو گیا اور لوٹ مار میں مصروف ہو گیا۔ جس کی سرکوبی کو حضرت علی بھیجے گئے جس پر پہلے تو اس نے بڑا طنطنہ دکھلایا، پھر اس کے کچھ ساتھی قتل اور عورتیں بچے اسیر ہوئے تو اس نے راہ فرار اختیار کی اور دوبارہ آ کر مسلمان ہوا۔[۳]

---

[۱] تاریخ طبری ص ۱۷۱۰ زاد المعاد ابن قیم ج ۲ ص ۲۰۵

[۲] الدرر فی اختصار المغازی والسیر ص ۲۷۲ [۳] اعلام الوریٰ ص ۱۳۴

واقعہ مباہلہ

انہی وفود کے سلسلے کی ایک اہم کڑی اہل نجران کا وفد ہے جس کے ذیل میں مباہلہ کا واقعہ وقوع میں آیا۔

یمن میں مقام نجران عیسائیوں کا مرکز تھا۔ یہاں کے لوگوں نے پہلے خط و کتابت کی اور پھر اپنے پادریوں اور راہبوں کا ایک وفد مرتب کر کے روانہ کیا۔

یہ لوگ اس تصور میں تھے کہ وہ بڑے عرب کے صاحب اقتدار کے پاس جا رہے ہیں تو انہیں وہ لباس پہن کر جانا چاہیے جو بادشاہوں کے دربار کے لائق ہے۔ حریر و دیباج کے کپڑے پہن کر رسولؐ کے پاس حاضر ہوئے یقیناً اگر یہ قیصر و کسریٰ کے سامنے ہوتے اور یہ ریشم وغیرہ کا لباس ان کا عام لباس ہوتا تو حضرت اس لباس کے ساتھ اُن سے گفتگو میں توقف نہ فرماتے مگر چونکہ وہ اپنے معیار کے مطابق روحانی جماعت کے افراد تھے جنھیں پرتکلف لباس سے بذاتِ خود کوئی سروکار نہیں تھا بلکہ حضرتؐ کو ایک دنیوی بادشاہ تصور کر کے اپنے خیال کے موافق آپ کے

دربار کے تقاضوں کے لحاظ سے اس لباس کو پہن کر آئے تھے، لہٰذا اس لباس کے ساتھ حضرتؐ کا مظاہرہ اخلاق فرمانا ان کی غلط فہمی کے پردہ کو چاک کرنے کا باعث نہیں ہو سکتا تھا اور بتقاضائے منصب رسالت آپؐ کو ان کی اس غلط فہمی کے دور کرنے کی ضرورت تھی لہٰذا جب وہ اس لباس میں حضرتؐ کے پاس آئے تو حضرت نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔

چونکہ حضرت کے محاسنِ اخلاق کا تذکرہ وہ بتواتر سُنتے ہوئے تھے، اس لئے اس بے رخی کا جو ان کے ساتھ ہوئی سبب تلاش کرنے کی انھیں فکر ہوئی جس کے لئے پہلے اصحاب سے معلوم کرنا چاہا مگر وہاں مطلب برآری نہ ہوئی انھی کے کہنے سے حضرت علی ابن ابی طالب سے رجوع کیا، یا یہ کہ انھی اصحاب کے ان کی اس صورتِ حال کے بارے میں حضرت علی سے دریافت کیا۔[1]

آپ نے اس راز کی نشان دہی کی کہ تم اس لباس میں جو رسولؐ کے پاس آئے تھے، اس کی وجہ سے حضرتؐ نے تم سے اس طرح بے رخی اختیار فرمائی۔ اسے ان کے ضمیر نے قبول کیا اور انھوں نے ان کپڑوں کو اتار کر اپنے عام زاہدانہ لباس پہنے اور اب رسولؐ کی خدمت میں حاضر

---

[1] زاد المعاد ابن قیم ج ۲ ص ۳۹

ہوئے تو حضرت ؑ نے کشادہ پیشانی کے ساتھ اُن سے گفتگو فرمائی اور اب انھوں نے حضرت ؑ سے دینی مسائل اور خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ کے بارے میں اسلامی تصور کو دریافت کیا۔ سورۂ آلِ عمران کا زیادہ حصّہ اسی واقعہ سے متعلق ہے۔ طویل گفتگو کے بعد اس سلسلے کی آخری کڑی پیش آئی وہ یہ کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ کے لئے کوئی باپ نہ ہونے کو اُن کے لئے خدا کے بیٹے ہونے کا ثبوت قرار دیا تو قرآن مجید کی یہ آیت اتری کہ

اِنَّ مَثَلَ عِیسٰے عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ	عیسیٰ کی مثال تو اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے انھیں تو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اشارۂ قدرت ہوا کہ وجود میں آجائیں تو وہ وجود میں آگئے!

اس کے بعد وہ لاجواب تو ہوگئے مگر ماننے کے لئے پھر بھی تیار نہیں ہوئے تو قرآن مجید کی یہ آیت اتری:

فَمَنْ حَاجَّکَ فِیہِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَکُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَہِلْ فَنَجْعَلْ	اب جو ان علمی دلائل کے بعد بھی حجت کرتا رہے تو کہہ دیجئے کہ آجاؤ، ہم دونوں فریق اپنے اپنے بیٹوں کو بلائیں اور اپنی اپنی عورتوں کو اور اپنے اپنے نفسوں کو پھر اللہ سے لو لگا کر اللہ کی لعنت قرار دیں

لَعْنَةَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ — جھوٹوں پر۔

چنانچہ دوسرے دن موقف مباہلہ میں حضرت تشریف لائے
اُن چار ہستیوں کو ساتھ لئے ہوئے جن کو رسولؐ کیساتھ ملاکر مسلمانوں
میں محاورہ "پنجتن پاک" کا ہو گیا ہے۔ وہ ہیں علی و فاطمہ اور حسن و حسین
کہا جاتا ہے کہ ان کے سب سے بڑے مذہبی رہنما نے اپنے ساتھیوں سے
کہدیا تھا کہ دیکھو! کل اگر محمدؐ اپنے اصحاب یعنی پیرووں کی جماعت کو
ساتھ لے کر آئیں تو مباہلہ کر لینا لیکن اگر اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر
آئیں تو کبھی مباہلہ نہ کرنا۔

جب یہ حضرات رسولؐ کے ساتھ آئے، نصاریٰ نے دریافت کیا
یہ کون ہیں؟ اور معلوم ہوا کہ یہ سب ان کے دل کے ٹکڑے ہیں۔ ایک
انتہائی عزیز بیٹی، دوسرے گود کے پالے چچازاد بھائی اور داماد یعنی اُسی
بیٹی کے شوہر ہیں اور دو لڑکے ہیں اسی بیٹی کے بچے ہیں۔ بس انھوں
نے فیصلہ کر لیا کہ ہم مباہلہ نہیں کریں گے۔ اور وہ جزیہ دینے کے لئے تیار
ہو گئے جس کے لئے ایک دستاویز مصالحت کی لکھی گئی اور وہ اس معاہدہ
کی تکمیل کے بعد واپس چلے گئے۔

فتح یمن

مباہلہ کی روحانی جنگ میں رسول اسلامؐ کی فتح جس میں حضرت علی ابن ابی طالب کی شخصیت امتیازی طور پر مخالف حلقوں میں نمایاں ہو گئی تھی۔ اس کا اثر پورے یمن پر پڑنا ضروری تھا اور یہ خدا اور رسولؐ کی حکیمانہ موقع شناسی ہے کہ اس اصول کے مطابق کہ لوہے پر ضرب اس وقت لگاؤ جب وہ گرم ہو، فوراً ہی حضرت علی ابن ابی طالب کو دعوت اسلامی کے لئے یمن بھیج دیا گیا۔

وہی اسلامی سپہ سالار جو بدر و احد و خندق و خیبر کے خونریز فتوحات میں عسکری فتح کا نشان بن گیا تھا، اب مباہلہ کے بعد بغیر تلوار کے جنگ میں بھی فتح و ظفر کا نشان ثابت ہوا، چنانچہ یمن میں علی فتح کے لئے کھنچی ہوئی تلوار لے کر نہیں گئے۔ نہ فوج و لشکر ساتھ لے گئے۔ بلکہ صرف تیغ زبان اور کردار کا لشکر ساتھ لئے ہوئے تشریف لے گئے جس کے نتیجہ میں پورا ملک یمن چند روز میں زیر نگیں ہو گیا۔

تاریخ کی صراحت ہے کہ آپ نے بس رسول صلعم کا خط پڑھ کر سنایا جو ظاہر ہے کسی تمہیدی تقریر کے ساتھ ہوگا اور ایک دن میں سارے پورے قبیلہ ہمدان نے اسلام قبول کیا۔[1]

اور اس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد کے مسلمانوں کے لیے ایک مثال قائم کر دی کہ اسلام میں فتح ممالک کا مفہوم کیا ہے؟ اس کے خلاف جو عسکری طاقت ہے، وہ کسی ملک کی سابقہ حکومت کے مقابلہ میں، مسلمانوں کی فتح ہو سکتی ہے۔ اسلام کی فتح اُسے نہیں کہا جا سکتا۔

یمن کا قبیلہ ہمدان جس نے اس موقع پر حضرت علیؑ کی دعوت پر لبیک کہی تھی، یہ اس کے بعد بھی ہمیشہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا جاں نثار رہا۔ اور ان جنگوں میں جو آپ کو اپنے مخالفین سے لڑنا پڑیں، یہ قبیلہ آپ کا بڑا مضبوط بازو رہا۔

یہ اس وقت بھی جب اسلام لایا تھا، اتنا نمایاں امتیاز رکھتا تھا کہ بخاری کی روایت کے مطابق جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کا وہ خط جس میں وہاں کی روئداد درج تھی پڑھوا کر سنا تو بے ساختہ پہلے سجدہ شکر میں سر زمین پر رکھا اور پھر سر اٹھایا تو

---

[1] تاریخ ابو الفدا ج ۱ ص ۱۵۸۔

فرمایا:۔

علی ھمدان السلام[1]

پھر حضرت علی نے اپنے دور میں متعدد بار نظم و نثر میں اس قبیلہ کو اس طرح سند وفاداری دی ہے جس کو سن کر آج بھی ہمارا دل بھی پکار اٹھتا ہے کہ علی ھمدان السلام۔

حجۃ الوداع

ہجرت کا دسواں سال، یہی بعد میں رسولؐ کی زندگی کا آخری سال ثابت ہوا۔ اسی سال کے آخر میں یہ حج ہوا جس کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدت کم دار دنیا میں زندہ رہے اس لئے اس حج کا نام بعد میں "حجۃ الوداع" ہو گیا جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ: خواہ اس لئے کہ آپ کو اس کے بعد پھر کوئی حج کرنے کا موقع نہیں ملا تو گویا آپ کی کعبہ سے رخصت تھی اور یا یہ کہ آپ نے مسلمانوں کو "الوداع"

۱۔ ۲، ۱۴۳۲، ۱۴ اعلام الوری ص ۱۳۷

کہا اور یہ اطلاع دی کہ اب میں دنیا سے جانے والا ہوں۔ بہر صورت اس سال کا جب ذیقعدہ کا مہینہ ہوا تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ یہ ہجرت کے بعد سے آپ کا پہلا حج تھا۔ ہجرت سے پہلے آپ کا قیام ہی مکہ معظمہ میں تھا لہذا بلاشبہ آپ نے حج کیا تھا مگر ہجرت کے بعد سے ابھی تک آپ کے مکہ معظمہ کی طرف دو تین سفر تو ہوئے مگر وہ زمانہ حج میں نہ تھا۔ اس لئے انھیں اصطلاحی طور پر عمرہ کہنا درست ہے۔ حج کہنا صحیح نہیں ہے۔ حج جس کا نام ہے وہ اب کی بار ہو رہا تھا۔[1]

تمام مسلمانوں میں اس کا اعلان ہو گیا اور یہ خبر اطراف وجوانب میں بھی پھیل گئی، تو ادھر ادھر کی بھی مخلوق کثرت سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فریضۂ حج کو انجام دینے کے لئے امنڈ پڑی اور ۲۴ یا ۲۵ ذی قعدہ کو حضرت مدینہ منورہ سے اس جم غفیر کے ساتھ روانہ ہوئے۔[2]

ابھی حضرت علی یمن سے واپس نہیں آئے تھے۔ وہیں آپ کو حضرت کے منصوبہ حج کی اطلاع ملی تو آپ براہ راست وہاں سے قربانی کے جانوروں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ جب حضرت رسول خدا مکہ میں پہونچے اور طواف اور سعی

---

[1] اعیان الشیعہ ج ۲ ص ۲۲۹

[2] ارشاد شیخ مفید ص ۷۹ اعلام الوریٰ ص ۱۳۸

فرما چکے تو حکم الہٰی اترا:۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ الخ

اس آیت سے حج تمتع کا قانون نافذ ہوا اور حضرت ؑ نے اعلان فرمایا کہ بس اب آج سے عمرہ حج کا جزء بن گیا۔ دریافت کیا گیا، یہ حکم اسی سال ہے یا ہمیشہ کے لیے یہ حکم ہے؟ تو حضرت نے زور دے کر کئی کئی دفعہ فرمایا کہ یہ ہمیشہ کے لیے ہے، عمرہ حج کا جزء قیامت تک کے لئے ہے [1]۔

بے شک جیسا کہ قرآن مجید میں صراحت ہے یہ حج تمتع کا حکم ۔۔۔۔۔ ان کے لئے ہے جو دور دراز سے مکہ آئیں۔ وہ پہلے عمرہ کر کے اس کے احکام بجا لائیں، پھر اس احرام کو ختم کر دیں جس کے ساتھ تمام پابندیاں جو علیحدہ تھیں، وہ ختم ہو جائیں گی۔ پھر مقررہ تاریخوں پر حج کا احرام باندھیں اور یہی حج تمتع کا طریقہ ہے جو فقہ جعفری میں دور والوں کے لئے لازمی طور پر معین ہے اور اہلِ سنت بھی اسے درست سمجھتے ہیں، اس لئے زیادہ تر اس پر عامل ہیں۔

بعض اصحاب کو یہ بات اس وقت ناگوار لگی اور اس پر معترضانہ جملے زبان پر لائے جس پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس حکم پر کبھی ایمان نہیں لاؤ گے [2]۔

---

[1] الدرر ص ۲۷۸

[2] ارشاد ص ۸۱

اس حج کی ایک بڑی خصوصیت کا اعلان رسول ص نے ان الفاظ میں فرمایا کہ

ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق السموات والارض

دیکھو اب زمانہ گردش کر کے اُس نقطہ پر آ گیا ہے جس صورت پر وہ آسمان و زمین کی خلقت کے دن تھا۔

اس ارشاد پیغمبر ص میں وحی زبانی کے ان الفاظ پر نظر ہے جو نسیء کی ممانعت سے قبل بطور تمہید ارشاد ہوئے تھے کہ:-

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ

یقیناً مہینوں کی تعداد اُس دن سے کہ جب آسمان و زمین کی تخلیق ہوئی تھی، اللہ کے نزدیک بارہ ہے۔ ان میں سے چار محترم مہینے ہیں۔

اب اس آیت کی روشنی میں ارشاد رسول ص کی تشریح مصر کے ایک مفکر نے اس طرح کی ہے کہ:-

وہ لوگ جو نسیء کا عمل اختیار کرتے یعنی مہینوں کے تعین میں گڑبڑ کرتے اس کی دو صورتیں تھیں۔ ایک محرم کو آگے بڑھا کر صفر میں رکھنا۔ یہ اُس وقت ہوتا تھا جب محرم میں غارت گری کے مواقع حاصل ہوں تو اگر اس مہینہ کو محرم مان لیں تو یہ مواقع ہاتھ سے نکل جائیں۔ لہٰذا وہ اس وقت جو کچھ انھیں لوٹ مار کرنا ہے، وہ کر کے دوسرے مہینہ کو محرم مانتے تھے جس میں جدال و

قتال کو حرام قرار دیتے تھے۔

دوسرے حج کے مہینے میں دن بڑھا کر شمسی حساب کے مطابق لاتے تھے اور اسے ہر سال ۱۱ دن یا اس سے کچھ زیادہ آگے بڑھاتے تھے جس کا دورہ ۳۳ برس میں پورا ہوتا تھا تو پھر وہ تاریخ اپنے اصل وقت میں پڑ جاتی تھی یعنی جب قدرتی حساب سے ۱۰ ذی الحجہ ہونا چاہیئے اسی دن وہ دس ذی الحجہ ہوتی تھی۔ حجۃ الوداع وہ سال تھا جس میں حج اپنے آ[illegible] حضرت نے نسی کے عمل درآمد کو ختم کرتے ہوئے اب فرمایا کہ اس سال سے حساب اسی معیار پر آگیا ہے جس معیار پر خلقتِ آسمان و زمین کے وقت سے حساب چل رہا تھا۔[1]

حج کی مفصّل کیفیت

چونکہ اس سے پہلے دورِ رسالت میں حج نہیں ہوا تھا اور نہ اس کے بعد رسول ﷺ کو اپنی زندگی میں حج کا موقع ملا، اس لئے اس حج کی کیفیت کو راویوں نے پورے جزئیات کی تفصیل کے ساتھ محفوظ کیا اور ایک دوسرے سے بڑے ذوق و کیف کے ساتھ بیان کرتے رہے اور پھر محدثین نے اپنی کتابوں

---

[1] حاشیہ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۴۸ از شیخ محمود طنطاوی

میں اسی تفصیل کے ساتھ درج کیا۔

یہاں ہم اس کی مفصّل کیفیت کو علامہ ابن عربی کی کتاب "محاضرۃ الابرار" مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۹ سے نقل کرتے ہیں:-

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ کے قصد سے شجرہ کی راہ سے روز پنجشنبہ ۲۶ ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ کو روانہ ہوئے۔

یہ شجرہ کا راستہ وہی ہے جس میں آپ مدینہ سے نکل کر بیر علی مقام پر حاج احرام باندھتے ہیں اور یہی اہلِ مدینہ کا میقات ہے جس کے آگے بغیر احرام کے بڑھنا جائز نہیں ہے۔ اس منزل پر آکر حضرت نے نماز ظہر پڑھی اور رات کو جو شب جمعہ تھی یہیں قیام فرمایا اور صبح ہوں کر یہیں احرام باندھ چکے تھے لہذا اب جو حضرت اس منزل سے آگے بڑھنے لگے تو لبیک اللھم لبیک صدا بلند کی جس پر ان ہزاروں آدمیوں نے جو ساتھ تھے، آپ کی معیت میں تھے آپ کی پیروی کی اور دور دور تک کی وادیاں بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے اس اعلان سے گونج اٹھیں اور یونہی حضرت لبیک اللھم لبیک کی صدا اون کے ساتھ آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ راستے ہی میں حضرت کو روانگی کے آٹھویں دن شب پنجشنبہ ماہ ذی الحجہ کا چاند نمودار ہوا۔ اس کے بعد راستہ طے ہوتا رہا یہاں تک کہ شب یکشنبہ چار ذی الحجہ کو حضرت نے ذی طویٰ میں

رات گزاری اور نماز صبح پڑھ کر روانہ ہوئے۔ اور اسی اتوار کو صبح دن چڑھے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ حجر اسود کا استلام[۱] فرمایا اور سات مرتبہ کعبہ کا طواف فرمایا اور ہر طواف میں آپ حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام فرماتے تھے۔ پھر پنجشنبہ کی صبح، روز ترویہ یعنی ۸ ذی الحجہ کو آپ تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ تشریف لے گئے اس طرح کہ پنجشنبہ کو ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھی پھر شب جمعہ وہیں قیام فرما کر نماز صبح وہیں ادا فرمائی اور روز جمعہ ۹ ذی الحجہ جب سورج بلند ہو چکا ہے، اس وقت عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں حضرت کے لئے، حضرت کے حکم سے، مقام نمرہ پر خیمہ نصب ہو گیا تھا۔ آپ نے اس میں قیام فرمایا۔ جب زوال آفتاب ہو گیا تو حضرت نے اپنے ناقہ "قصویٰ" کے تیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ تیار ہوا، اور حضرت اس میدان کے وسط میں تشریف لائے۔ جس کے گرد پیش تمام مسلمان جمع تھے اور پشت ناقہ پر سے حضرت نے اس بڑے مجمع کو مخاطب فرمایا۔ آپ کی چچی ام الفضل زوجہ جناب عباسؓ نے اس وقت ایک پیالہ دودھ کا بھیجا جو حضرت نے اسی ناقہ کی پشت پر سواری کی حالت میں نوش فرمایا۔ جس سے تمام مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ آپ آج روزہ سے نہیں ہیں۔ جب خطبہ پڑھ

---

(۱) بظاہر آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے "بوسہ" کا موقع نہ تھا۔

پہنچے تو حضرت ﷺ ناقہ سے اترے اور بلال کو اذان کا حکم دیا چنانچہ اذان ہوئی، مسلمان نماز کے لئے صف بستہ ہو گئے۔ اور بلال ہی نے اقامت کہی جس کے بعد ظہر کی نماز ہوئی۔ پھر فوراً ہی حضرت ﷺ نے بلال کو دوسری دفعہ کی اقامت کا حکم دیا اور اسی وقت عصر کی نماز ہوئی۔ ظہر اور عصر کے درمیان کسی دوسری نماز کا فصل حضرت ﷺ نے نہیں کیا۔ علامہ ابن عربی کی لفظیں یہ ہیں کہ:-

صلاهما علیه السلام بالناس	یہ دونوں نمازیں حضرت ﷺ نے جماعت
جمعتین فی وقت الظهر	ایک ساتھ ظہر کے وقت میں ایک اذان
باذان واحد لهما	کے ساتھ جو دونوں کے لئے تھی اور دو
وباقامتین لکل صلوة	اقامتوں کے ساتھ کہ ہر نماز کے لئے
اقامة	اقامت الگ ہو، ادا فرمائیں

(محاضرۃ الابرار ج ا ص ۲۱)

یہی وہ ترکیب نماز کی ہے جس کے شیعہ عموماً طور پر پابند ہو گئے ہیں۔ پھر حضرت اپنے مرکب پر سوار ہوئے اور وہیں تشریف لائے جہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ جمعہ کا آفتاب غروب ہوا۔ اب یہاں یہ جملہ قابلِ لحاظ ہے کہ غروب کے بعد لکھا ہے:- وذهبت الصفرة یعنی صرف آفتاب کے غروب ہونے پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ انتظار کیا کہ زردی دور

ہو جائے۔ یہ "زردی" کی لفظ بظاہر تعبیر ہے "حمرۃ مشرقیہ" کے زردی
کی جسے شیعہ غروب آفتاب کا معیار قرار دیتے ہیں اور اس کے پہلے سمجھتے ہیں
کہ مغرب کا وقت نہیں آیا۔ اب حضرت ؑ اسامہ بن زید کو اپنے ساتھ
بٹھا کر روانہ ہوئے اور ۱۰ ذی الحجہ کی رات کو کافی وقت گذرنے پر
اس وقت مزدلفہ پہنچے جسے مشعر الحرام بھی کہتے ہیں جب مغرب کی نماز کا
جو عام طور پر وقت سمجھا جاتا ہے گذر چکا تھا چنانچہ عشاء کے وقت میں مغرب
اور عشاء کی نمازیں اسی طرح ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھیں۔

اس طرح اس حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر حضرت ؑ نے جمع بین
الصلوٰتین کی دونوں صورتوں پر عمل کر کے دکھا دیا یعنی نماز ظہر کے
وقت میں اسی کے ساتھ عصر کی نماز اور پھر عشاء کے وقت میں اسی کے
ساتھ مغرب کی نماز۔ جس سے یہ اصول ثابت ہو گیا کہ شروع اور آخر
کے بس ذرا سے وقت کو چھوڑ کر جو عقلی طور پر پہلی اور آخری نماز کا وقت
مختص ہے، باقی تمام وقت دونوں کا مشترک وقت ہے۔ یہ اور بات
ہے کہ فضیلت کے لحاظ سے اس میں کا ایک حصہ ظہر سے نسبت رکھتا ہے اور ایک
حصہ عصر سے۔ اسی طرح غروب کے بعد ایک حصہ مغرب سے اور اس کے بعد کا
حصہ عشاء سے مگر اس درمیان کے وقت کے ہر جزو میں ظہر اور عصر اور پھر
مغرب اور عشاء کا ہونا درست ہے جو ائمہ اہلبیت رسول ؐ کے ارشادات
سے ثابت ہے۔

جانشینی علی کا اعلان

حج سے واپسی میں جب مدینہ کی طرف مراجعت کے لئے مکہ سے باہر آگئے اور مقام غدیر خم پر پہونچے جس کے لئے ہندوستان کے مؤرخ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ "راہ میں ایک مقام خم پڑا جو جحفہ سے تین میل پر ہے، یہاں ایک تالاب ہے۔ عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور اس لئے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیر خم آتا ہے۔

(سیرت النبی حصہ دوم طبع ہشتم ۱۳۸۸ھ ۱۹۶۹ء ص ۱۶۷)

اب یہ ہمیں نہیں معلوم کہ مقام خم اُس تالاب سے کتنی دور تھا اور تالاب میں پانی تھا یا وہ خشک ہو چکا تھا مگر چھٹی صدی ہجری کے ملک عرب کے عالم کی تصریح ہے کہ یہاں عموماً قافلے منزل نہیں کیا کرتے تھے اس لئے کہ یہاں آب و گیاہ موجود نہیں ہے۔[۱] بہر صورت حضرت یہاں پہونچے

۱؎ ارشاد ص ۸۱

تو حکم ربانی پہونچا:-

یا ایّہا الرّسول بلّغ ما انزل الیک من ربّک وان لم تفعل فما بلّغت رسالتہ

اے پیغمبر! جو آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا جا چکا ہے اسے پہونچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا پیغام کچھ پہونچایا ہی نہیں۔

آیت کے الفاظ سے خود ظاہر ہے کہ اور روایت بھی بتاتی ہے کہ یہ حکم پہلے آچکا تھا مگر اس کی تبلیغ کے لئے اس کے پہلے وقت مقرر نہ ہوا تھا۔ حضرت ص نے اس کے اعلان میں تاخیر فرمائی اس انتظار میں کہ موقع ایسا سازگار ہو کہ اس میں اختلاف نہ زیادہ پیدا ہو۔ اب یہ جگہ آگئی جہاں اللہ کو علم تھا اور دنیا پر بعد میں یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ اگر حضرت ص اس جگہ سے آگے بڑھ جائیں اور قافلہ روانہ ہو جائے تو پھر راستے بدل جائیں گے اور اتنا بڑا مجمع پھر کبھی پیغمبر خدا ص کو فراہم نہیں ہو سکتا تو اب خالق کی جانب سے یہ حکم تاکیدی آیا تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس حکم ربانی کو سن لیں اور حجت تمام خلق پر زیادہ سے زیادہ تمام ہو جائے، اس مستحکم حکم کے ورود سے مجبور ہو کر بلا توقف حضرت ص مرکب سے اتر پڑے اور لازماً مسلمانوں کو بھی اترنا پڑا۔ اس وقت گرمی نہایت سخت تھی۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

حکم دیا کہ ببول کے نیچے سے درخت جو وہاں تھے وہ اکھاڑ دیئے جائیں تاکہ
زمین صاف ہو جائے۔ پھر پالانہائے شتر کو ایک دوسرے پر رکھ کر
ایک طرح کا منبر وہاں بنوایا۔ اور اب اعلان ہوا کہ الصلوٰۃ جامعۃ
یعنی نماز جماعت میں سب آئیں رسول خدا کے ساتھ شریک ہو لیں۔ جب تمام
مسلمان سمٹ کر اکٹھا ہو گئے جب کہ ریگ صحرا کی تپش کا یہ عالم تھا کہ
لوگ پائیں یا چادریں پیروں سے لپیٹ لیا کرتے تھے رسول خدا حضرت علی
کو اپنے ساتھ لے کر اس اونچی منبر کی چوٹی پر تشریف لے گئے اور ان کو اپنی
داہنی جانب کھڑا کیا اور بسیط خطبہ ارشاد فرمایا جناب شیخ
مفید علیہ الرحمۃ اور ان کے بعد تمام علمائے سیر نے کچھ مضامین اور خاص
فقرے نقل کئے ہیں اس طرح۔

فخطب الناس فحمد الله واثنی	حضرت نے خطبہ پڑھا کہ حمد و ثنا ادا فرمائی
علیه ووعظ ونعی الی الامة نفسه	اور موعظہ و نصیحت کے ساتھ ساتھ
فقال انی دعیت ویوشک	امت کو اپنی وفات کی خبر سنائی اور
ان اجیب وقد حان منی	فرمایا مجھے دعوت حق آ گئی ہے اور قریب
خفوق من بین اظهرکم وانی	ہے وہ وقت کہ میں اس پر لبیک کہوں
مخلف فیکم ما ان تمسکتم به	احباب کو اپنی تحویل میں سونپ دوں لہذا میں تمہارے بیچ

۱؎ ارشاد شیخ

لن تضلوا كتاب الله وعترتي
اهل بيتي وانهما لن يفترقا
حتى يردا علي الحوض ثم نادى
باعلى صوته: الست اولى بكم
منكم بانفسكم؟ فقالوا
اللهم بلى فقال على النسق
وقد اخذ بضبعي علي فرفعهما
حتى بان بياض ابطيهما
وقال من كنت مولاه فهذا
علي مولاه اللهم وال من
والاه وعاد من عاداه
وانصر من نصره واخذل من
خذله ثم نزل وكان وقت
الظهيرة فصلى ركعتين ثم
زالت الشمس فاذن مؤذنه
لصلاة الظهر فصلى بالناس
وجلس في خيمته وامر عليا

وقت آگیا ہے اور میں تم میں چھوڑے
جاتا ہوں وہ کہ جسکے بعد تم اگر تمسک رکھوگے
تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے: اللہ کی کتاب
اور میری عترت جو میرے اہلبیت ہیں
اور یہ دونوں ہرگز ایکدوسرے سے
جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ میرے
پاس حوض کوثر پر پہونچینگے. پھر آپ نے
بلند آواز سے پکار کر کہا میں تم لوگوں پر
تمسے زیادہ با اختیار ہونے کا حق نہیں
رکھتا ہوں سب نے کہا کیوں نہیں. پس
اسکے بعد دیگر آپ نے فرمایا اس حال
میں کہ آپنے حضرت علی کے دونوں بازو
پکڑ کر اٹھا لیا اتنا کہ دونوں کی سفیدی
نمایاں ہوئی بغلوں کی سفیدی تو فرمایا کہ
جس کا میں مولا ہوں اسکا یہ علی مولا
ہے. خدایا تو دوست رکھ اسکو جو دوست رکھتا ہے
اسکو اور دشمن رکھ اسکو جو دشمن رکھے

الی مجلس بخیمة لہ بان
ثم امر المسلمین ان یدخلوا
علیه فوجا فوجا فیھنئوه
بالامامة ویسلموا علیه
بامرة المسلمین ففعل الناس
ذلک الیوم کلھم ثم امر
ازواجه وجمیع نساء
المؤمنین معه ان یدخلن
علیه ویسلمن علیه بامرة
المؤمنین ففعلن ذلک و
کان ممن اطنب فی تھنئته
بذلک المقدم عمر بن الخطاب
واظهر له من المسرة به و
قال فیما قال: بخ بخ لک
یا علی اصبحت مولای ومولی
کل مؤمن ومؤمنة وجاء
حسان بن ثابت الی رسول الله

جو اسے دشمن رکھے اور مدد کر اسکی جو اس کی مدد کرے
اور بے مددگار چھوڑ اسے جو اسے بے مددگار چھوڑے
پھر منبر سے اترے اور یہ عین دوپہر کا وقت تھا تو
حضرت نے دو رکعت نماز پڑھی اور لب زوال آفتاب
ہو گیا تو آپ کے موذن نے نماز ظہر کی اذان دی جس کے
بعد آپ نے نماز پڑھائی اور آپ اپنے خیمہ میں بیٹھے اور
حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ وہ ایک خیمہ میں جو سامنے لگایا
گیا تھا بیٹھیں پھر آپ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا
کہ وہ ایک ایک دستہ کر کے آپ کے پاس جائیں
اور امامت کی مبارکباد دیں اور امیر المومنین کہہ
کر سلام کریں چنانچہ اس دن سب نے ایسا ہی
کیا۔ پھر آپ نے اپنی ازواج اور تمام مسلمان خواتین
کو حکم دیا کہ وہ سب بھی آپ کے پاس آئیں اور
آپ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کریں چنانچہ ان سب نے
بھی اس پر عمل کیا اور جنہوں نے اس میں کافی طول کلام
سے کام لیا حضرت علی کو اس منصب پر مبارکباد دینے
میں وہ عمر بن خطاب تھے اور انہوں نے اس پر بہت

فقال یا رسول اللہ أتأذن
لی ان اقول فی ھذا المقام
ما رضاء اللہ فقال لہ قم
یا حسان علی اسم اللہ فوقف
علی نشز من الارض و
تطاول المسلمون لسماع
کلامہ فانشأ یقول ینادیھم
یوم الغدیر نبیھم بخم
واسمع بالرسول منادیا
فقال فمن مولاکم ولیکم
فقالوا ولم یبدوا ھناک
التعامیا الھک مولانا وانت
ولینا ولن تجدن منا لک
الیوم عاصیا فقال لہ قم
یا علی فاننی رضیتک من
بعدی اماما وھادیا فمن
کنت مولاہ فھذا ولیہ

خوشی کا اظہار کیا اور منجملہ ان کے جو کہتا یہ تھا کہ
مبارک ہو مبارک اے علی کہ آپ میرے اور ہر مومن
ایماندار مرد اور ہر ایماندار عورت کے مولیٰ ہو گئے اور
حسان بن ثابت پیغمبر خدا کے پاس آئے اور کہا
کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اس موقع پر کچھ
ایسا کہوں جسے اللہ پسند کرتا ہو۔ حضرت نے فرمایا
اے حسان! بسم اللہ اٹھو۔ چنانچہ وہ بلندی پر
حصہ پر زمین کے کھڑے ہوئے اور تمام مسلمانوں نے
گردنیں بلند کیں ان کے کلام کے سننے کے لیے تو انہوں
نے اشعار پڑھنا شروع کئے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ان کو
غدیر کے دن ان کے پیغمبر پکار رہے تھے مقام خم پر
اور پیغمبر سے بڑھ کر اور کس کی آواز ہو سکتی ہے پکارنے والا کون
ہو سکتا ہے۔ اور فرمایا بتاؤ تمہارا مولا اور ولی
کون ہے تو سب بول اٹھے اور کسی نے انکار
ذرا بھی ظاہر نہیں کی کہ خدا ہمارا مولیٰ ہے اور آپ
ہمارے ولی ہیں اور آپ ہم میں سے کسی کو نافرمان
ہرگز نہیں پائیں گے تو حضرت رسول نے ان سے کہا

الفضل وسابق مواليا هناك
دعا اللهم وال وليه وكن
للذي عادى عليا معاديا
فقال له رسول الله صلى الله
عليه وآله وسلم لا تزال
يا حسان مؤيدا بروح القدس
ما نصرتنا بلسانك ولم يبرح
رسول الله صلى الله عليه
وسلم من ذلك المكان حتى
نزل:
اليوم اكملت لكم دينكم
واتممت عليكم نعمتي ورضيت
لكم الاسلام دينا فقال
الحمد لله على كمال الدين و
تمام النعمة ورضا الرب
برسالتي والولاية لعلي
من بعدي

کہ میں نے ہدایت کا امر اپنے بعد تمہارا امام اور رہنما ہونے
کو پسند کر لیا ہوں تو جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ
ہے تو تم سب پر ان کے لئے مددگار اور موافق رہنے
والے اور مطیع رہو پس آپ نے دعا کی کہ خدایا اس کے دوست
کو دوست رکھ اور جو علی کو دشمن رکھے اس کو دشمن
ہو اس پر حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسان سے
فرمایا اے حسان! ہمیشہ روح القدس کے ذریعے سے
تمہاری تائید ہوتی رہے گی جب تک تم اپنی زبان سے
ہماری حمایت کرتے رہو گے اور حضرت پیغمبر خدا اس جگہ
سے ہٹے نہیں تھے یہاں تک کہ یہ آیت اتری:
آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا
اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لئے اس دین
اسلام سے میں راضی ہوا۔ اور حضرت نے فرمایا
اللہ کا شکر دین کے کمال اور نعمت کے پورا ہونے
اور پروردگار کے میری رسالت اور علی کی
میرے بعد ولایت سے راضی ہونے پر۔

(اعلام الوریٰ ص ۱۳۹-۱۴۰)

جناب شیخ مفید علیہ الرحمتہ اور ان کے بعد علامہ طبرسیؒ جن دونوں کی لفظوں میں ہم نے اس پورے واقعہ کو مربوط شکل میں پیش کیا ہے شیعہ عالم اور مورخ ہیں، لیکن اس کے تمام اجزا اہل سنت کی معتبر کتب میں موجود ملتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ یا غائب یا پریشان شکل میں ہیں۔

ہاں! ایک حقیقت ہے جس پر ہم نے فتح مکہ کے موقع پر بت شکنی کے ذیل میں کسی حد تک روشنی ڈالی ہے اور یہاں ہم اسے زیادہ واشگاف الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ہمیں اہل سنت کے معتبر ماخذوں پر نظر کر کے یہ محسوس ہوا ہے جسے از خود نہیں تو ہمارے توجہ دلانے سے ہر صاحب وجدان خود بھی محسوس کر سکتا ہے کہ راویان تاریخ پر اموی اور عباسی سلطنت کی سیاست کا اثر راویان حدیث و تفسیر سے زیادہ تھا، اس لیے بہت سی تاریخ کی کڑیاں جو بااقتدار سلطنتوں کے رجحانات کے خلاف تھیں عام طور پر جن کتابوں کو تاریخ کہتے ہیں، اُن میں نظر نہیں آتیں لیکن جوامع حدیث و تفسیر میں ہمیں تاریخ کی گمشدہ کڑیاں مل جاتی ہیں۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ ایسی کتابوں کے نام کا جزو اگر لفظ تاریخ ہوتا انہی کو ہم تاریخ سمجھیں چاہے حقیقتیں نقلوں کے تابع نہیں آتیں۔ اگر کسی محدث نے کوئی تاریخی واقعہ بیان کیا ہے تو اس واقعہ کے بیان کرنے میں وہ مؤرخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی آیت کی تشریح کے ذیل میں کسی مفسر نے جو شان نزول

کوئی اسلامی واقعہ درج کرتا ہے تو اس واقعہ کے بیان کی حد تک اس کا تفسیری بیان بھی تاریخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ جیسا اسی "تاریخ اسلام" میں جہاد کے پس منظر میں ہم نے لکھا ہے، قرآن مجید اسلام کی اول پہلی دینی کتاب ہے، اس لئے ایک سب سے پہلے تاریخی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ واقعاتِ اسلامی کے بیان میں قرآن مسلم جماعتوں کو اسے اسلامی ایک تاریخ کی حیثیت تو دینا ہی چاہیے وہ منکرین بھی جو اللہ پر نبی پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کلام الٰہی نہ مانیں مگر اسے نہ ماننے کے لئے انھیں اسے خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان خود لکھوائی ہوئی تاریخ ماننا پڑے گا جس کا وزن درایتی طور پر بعد کی لکھی ہوئی تمام مسلم اور غیر مسلم تاریخوں سے زیادہ ہوگا۔

اب ہم مذکورہ مسلسل واقعہ کی اہم کڑیاں کی نشاندہی کتب اہل سنت سے کرتے ہیں جسے ہر شخص تلاش کرکے دیکھ سکتا ہے اور خود اپنی آزاد عقل اور ضمیر سے نتیجہ نکال سکتا ہے۔

کتب لغات و معاجم میں غدیر خم کے خطبے کی گونج

جامعہ ازہر مصر کے ایک عالم سعد محمد حسن نے جو وزارت معارف مصر کی طرف سے مدرس تھے، اپنی کتاب "المھدیۃ فی الاسلام" میں جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ادارہ علوم اسلامیہ کے کتب خانہ میں

موجود ہے تاہم یہاں لغات وعاجم کے ان تصریحات کو یکجا کیا ہے۔
ہر صاحب فہم یہ سمجھ سکتا ہے کہ بے شمار قطعات ارض میں سے کسی
ایک سے جب تک کسی اہم واقعہ کا تعلق نہ ہو لغت یا جغرافیا کی کتابوں
میں نمایاں طور پر اس جگہ کا تفصیلی تعارف ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔
غدیر اور خم دونوں کے ایک ساتھ تذکرہ اور تفصیلی تعارف کا ہونا
اس کا ثبوت ہے کہ اس واقعہ کا جو اس سے متعلق ہے اس علمی حلقہ کے
دل و دماغ پر پوری طرح اثر ہے چنانچہ بعض نے حضرت کے غدیر خم کے خطبہ اور
اس کے بعض اجزاء کا تذکرہ بھی کر دیا ہے جسے ہم ذیل میں دیگر حوالوں کے
ساتھ درج کریں گے۔

جن کتب اور مصنفین کا "الغدیر فی الاسلام" کے مؤلف نے
تذکرہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) "قاموس" محمد بن یعقوب فیروز آبادی

(۲) "معجم ما استعجم" وزیر ابو عبید اللہ البکری الاندلسی

(۳) "صبح الاعشیٰ" قلقشندی

(۴) تاریخ یعقوبی

علاوہ بر ایں شیخ محمد طاہر فتنی نے مجمع بحار الانوار میں بھی غدیر
اور خم دونوں کا تعارف کرایا ہے۔

اب ذیل میں واقعہ غدیر کی اہم کڑیوں کی نشاندہی کتب اہل سنت سے کی جارہی ہے۔

(۱) **نزول آیۂ تبلیغ** علامہ واحدی ابوالحسن علی بن احمد نیشاپوری نے اپنی مشہور و معروف کتاب "اسباب النزول" میں، جو صحیح معنی میں تاریخ تنزیل آیات قرآنی ہے: ابوسعید خدری رض کی روایت درج کی ہے:۔

نزلت هذه الآية: يا ايها الرسول بلّغ ما انزل اليك من ربك يوم غدير خم في علي ابن ابي طالب

یہ آیت کہ: اے رسول تبلیغ کر دیجئے اس کی جو آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے غدیر خم والے دن حضرت علی ابن ابی طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔

(اسباب النزول مطبوعہ مصر ۱۳۱۵ھ ص ۱۵۰)

حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور و معروف تفسیر "در منثور فی التفسیر بالماثور" (مطبوعہ طہران ج ۲ ص ۲۹۸) اور اہل حدیث کے بہت بڑے عالم اور مفسر محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے اپنی تفسیر "فتح القدیر" (ج ۲ مطبوعہ مصر ص ۶۰) میں اور ہمارے ہندوستان کے مشہور عالم اہل حدیث نواب صدیق حسن خاں قنوجی نے اپنی تفسیر "فتح البیان فی مقاصد القرآن" (مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ھ ص ۱۹) میں جو متفقہ الفاظ درج کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

اخرج ابن ابی حاتم وابن مردویۃ وابن عساکر عن ابی سعید الخدری قال نزلت ہذہ الآیۃ: یایہا الرسول بلغ ما انزل الیک علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم غدیر خم فی علی ابن ابی طالب واخرج ابن مردویہ عن ابن مسعود قال کنا نقرؤ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المؤمنین وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس

ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابن عساکر نے ابو سعید خدری کی زبانی بیان کیا ہے کہ یہ آیہ یا ایہا الرسول بلغ الخ پیغمبر خدا پر نازل ہوئی غدیر خم کے دن علی ابن ابی طالب کے بارے میں اور ابن مردویہ نے ابن مسعود کی زبانی نقل کیا ہے کہ ہم عہد پیغمبر خدا کے زمانہ میں اس آیت کو پڑھتے تھے تو، اس اضافہ کے ساتھ کہ "جو اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے" کہ علی مومنین کا مولا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ کی رسالت کچھ پہنچائی ہی نہیں اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت کرے گا۔

ایسی روایتوں کی ہم نے مقدمۂ تفسیر میں وضاحت کی ہے کہ ایسے الفاظ جو کچھ صحابہ نے بیان کئے ہیں یا یہ تفسیری نوٹ کے طور پر ہوتے تھے جن کی انہوں نے

maablib.com

ہیں وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سن چکے تھے۔

(۷) خطبہ اور اُس کے خاص خاص فقرات

جس طرح مذکورہ سابق صیغہ ماخذوں میں پورا خطبہ نہ تھا بلکہ اُس کے خاص خاص جملے تھے۔ اسی طرح کتب اہل سنت میں اس خطبہ کے خاص خاص فقرے ہی نقل ہوئے ہیں۔ اسی بنا پر یہ غلط تصور قائم ہوا ہے کہ "آپؐ نے ایک مختصر سا خطبہ دیا" (سیرت النبی شبلی حصہ دوم ص ۱۴۸) حالانکہ اگر تمام فقرات جمع کئے جائیں جو متعدد ماخذوں میں بکھرے ہوئے ہیں تو وہ خطبہ ایسا "مختصر سا" نہیں تھا جیسا اس لفظ سے سمجھ میں آتا ہے۔

امام ولی الدین محمد بن محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری متوفی ۷۴۳ھ نے اپنی مشہور و معروف کتاب "مشکوٰۃ المصابیح" میں جو عموماً مشکوٰۃ شریف کہلاتی ہے جو روایت درج کی ہے وہ اس طرح ہے:۔

عن زید ابن ارقم یقول: نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوماً فینا خطیباً بین مکۃ والمدینۃ فحمد اللہ واثنیٰ علیہ

زید بن ارقم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ اور مدینہ کے درمیان خطبہ دینے کے لئے سواری سے اترے اور حمد و ثنائے اللہ بجالائے۔

"سواری سے اترے" "مکہ اور مدینہ کے درمیان" "اور" "خطبہ دینے لگے"

اس اجمال کے تحت میں وہ پوری تفصیل آتی ہے جو ارشاد اعلام الوریٰ کے قبل میں درج ہو چکی ہے۔ پھر یہ کہ "حمد و ثنائے الٰہی" ادا کی۔ یہ اجزا بھی خطبہ کے ہیں بعض راوی نے پورا نقل نہیں کیا ہے مگر ظاہر ہے کہ وہ حمد و ثنائے الٰہی تھی بھی بسیط یا مختصر ہو، وہ اس جملہ مختصر تو نہ تھی جیسے راوی نے لکھا ہے کہ "حمد و ثنائے الٰہی ادا کی"۔ اور اگر وہ اتنی ہی مختصر ہوتی تو راوی اختصار کے تقاضے سے اس کے اصل الفاظ کے بیان کو ترک کیوں کرتا؟۔

وذكرها بعد يا ايها الناس انما انا بشر يوشك ان ياتيني رسول الله ربي فاجيب اني تارك فيكم الثقلين اولهما كتاب الله فيه الهدى و النور فخذوا بكتاب الله واستمسكوا به فحث على كتاب الله ورغب فيه۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا اے لوگو! میں بس ایک انسان ہوں بہت نزدیک ہے وہ دن کہ میرے پروردگار کا پیغام آجائے اور میں لبیک کہوں بلاشبہ میں تم کو دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں ان میں پہلی ان میں سے اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے تو اللہ کی کتاب کو لو اور اس سے تمسک کرو۔ اور آپ نے کتاب اللہ پر عمل کی ترغیب دی اور اس پر بہت زور دیا۔

دیکھئے پھر راوی نے بنظر اختصار بہت سے حصہ ارشادات رسول ؐ کا چھوڑ دیا جس سے ظاہر ہے کہ پھر اس منزل پر پیغمبر خدا ؐ نے کافی بسط و تفصیل سے کام

لیا تھا

ثم قال اذکرکم اللہ فی اہل بیتی اذکرکم اللہ فی اہل بیتی (رواہ مسلم)

پھر فرمایا میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ مسلم نے اس کی روایت کی

مولانا شبلی نعمانی نے صحیح بخاری و ترمذی کے حوالے سے حسب ذیل الفاظ اپنے ترجمے کے ساتھ نقل کئے ہیں:۔

الا ایہا الناس فانما انا بشر مثلکم یوشک ان یاتی رسول اللہ فاجیب وانی تارک فیکم الثقلین اولہما کتاب اللہ فیہ الہدی والنور فخذوا کتاب اللہ واستمسکوا بہ واہل بیتی اذکرکم اللہ فی اہل بیتی

اے لوگو میں بھی بشر ہوں ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے یعنی موت میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں ایک خدا کی کتاب جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔

آخری جملہ کو آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا۔ یہ صحیح مسلم (مناقب حضرت علی) کی روایت ہے۔ نسائی۔ مسند امام احمد۔ ترمذی۔ طبرانی۔ بیہقی۔ حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔

(سیرۃ النبی حصہ دوم ص: ۱۶۸)

جناب شبلی کے شاگرد رشید شاہ معین الدین احمد ندوی نے بہت امتیاز سے کام لے کر صحیح مسلم ج ۲ کتاب مناقب، باب "فضائل علی" کو باختصار قرار دے کر لکھا ہے۔

"مدینہ کی طرف کوچ فرمایا اور راستہ میں مقام خم غدیر پر ایک مختصر خطبہ دیا۔

حمد و ثناء کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں۔ ممکن ہے خدا کا فرشتہ آئے اور مجھے اس کی دعوت قبول کرنا پڑے۔ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ اہل بیت کے بارے میں تم کو خدا کو یاد دلاتا ہوں۔"

(تاریخ اسلام حصہ اول، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ طبع پنجم ۱۹۶۲ء)

ہر فقرہ کی شرح

دراصل پورے خطبہ کا ماحصل سمجھنا چاہئے۔ اس کے معنی چاہے بعد کو جو چاہے قرار دیئے جائیں لیکن بڑی دقت یہ ہے کہ فقرہ کو اتنی اہمیت دی گئی کہ اس کے الفاظ کو لے کر حضرت علی کو مبارک باد دی گئی۔ وہ متفقہ جوامع حدیث میں متفق علیہ حیثیت رکھتا ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ ترجمہ مطبوعہ دہلی صہ ۶۰۶ میں زید بن ارقم سے حدیث ہے کہ:—

قال اتعلمون انی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم ثلث مرات قالوا نعم فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم من کنت مولاہ فعلی مولاہ

فرمایا تین مرتبہ کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں تمام مومنین پر خود اُن سے زیادہ اختیارات رکھتا ہوں۔ سب نے کہا ہم جانتے ہیں۔ تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی مولا ہے۔

مشکوٰۃ مطبوعہ دمشق ج ۳ صفحہ [illegible] لکھا ہے:—

عن زید ابن ارقم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ رواہ احمد والترمذی

مشکوٰۃ مترجم مطبوعہ دہلی صفحہ ۶۰۶ میں براء ابن عازب اور زید بن ارقم کی زبانی ہے کہ جب حضرت غدیر خم میں اترے تو علی کا ہاتھ پکڑ کر پھر فرمایا الستم تعلمون انی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم "کیا تم نہیں جانتے کہ میں ایمانداروں کے نفوس سے زیادہ اختیار رکھتا ہوں۔" قالوا بلیٰ "سب نے کہا کیوں نہیں۔" پھر فرمایا الستم تعلمون انی اولیٰ بکل مومن من نفسہ "کیا تم

نہیں جانتے کہ میں ہر فرد مومن پر اس کے نفس سے زیادہ اختیار رکھتا ہوں
سب نے کہا کیوں نہیں؟

اب فرمایا: اللّٰھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ یعنی خداوندا جس کا میں مولا ہوں علی اس کا مولا ہے۔ خداوندا تو دوست رکھ اسے جو اسے دوست رکھے اور دشمن ہو اس کا جو اس کا دشمن ہو۔

مسند امام احمد بن حنبل میں یہ کئی دفعہ متعدد موقعوں پر درج ہے جس میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب نے کوفہ کے مقام رحبہ میں جہاں ظاہر ہے کہ تمام اصحاب پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہ تھے بلکہ صرف وہی تھے جو اتفاق سے عراق پہنچ گئے تھے اور اس وقت اس مقام پر موجود تھے اس واقعہ کے چشم دید گواہیاں طلب کیں کہ جس نے اپنے کان سے رسول اللہ کو غدیر خم میں یہ الفاظ فرماتے سنا ہے وہ گواہی دیں تو بارہ افراد ایسے صحابہ میں سے جو جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے کھڑے ہو گئے اور انھوں نے اعلان کیا کہ ہم نے اپنے کانوں سے رسول ص کو یہ الفاظ فرماتے سنا۔

مسند احمد مطبوعہ مصر ج ۱ صفحہ ۱۱۹ و ۱۵۲ جلد ۴

اس کے علاوہ ج ۱ ص ۳۳۱ میں جناب ابن عباس کی روایت کے الفاظ درج ہیں کہ من کنت مولاہ فان مولاہ علی

ملا علی متقی کی کنز العمال (ج ۶ صفحہ ۴۰۲) میں ایک ہی مضمون کے تیس جملے مختلف راویوں کی زبانی سے وارد ہیں، مشہور الفاظ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

براء ابن عازب اور جناب ام سلمہ رض کی روایت سے مسند احمد کے حوالے سے ہیں۔ اور بریدہ کے حوالے سے یہ لفظیں ہیں کہ من کنت ولیہ فعلی ولیہ اور صفحہ ۲۰۱ میں محاملی کی امالی کے حوالے سے جناب ابن عباس رض کی روایت کے الفاظ ہیں: علی ابن ابی طالب مولی من کنت مولاہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ (ج ۲ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء صفحہ ۱۲۱۲) میں یہ الفاظ درج کئے ہیں کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ

ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ (ج ۳ صفحہ ۲۸) میں اوہی کا رحبہ والا واقعہ عبد الرحمن ابن ابی لیلی کی زبانی درج کیا ہے جس میں بارہ بدری صحابیوں کی شہادت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ

جناب شبلی نعمانی نے صحیح بخاری کے حوالے سے خطبہ کے ابتدائی فقرات درج کرنے کے بعد لکھا ہے:-

مسند امام احمد، ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علی کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے:-

maablib.com

من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ (سیرت النبی حصہ دوم ص ۱۶۸)

خلیفہ دوم کی مبارک باد

مشکوٰۃ مترجم مطبوعہ دہلی ج ۲ ص ۵۹۰ میں اس خطبہ کے تذکرہ کے بعد لکھا ہے کہ:۔

لقیہ عمر بعد ذلک فقال لہ ھنیئا یا ابن ابی طالب اصبحت وامسیت مولی کل مؤمن و مؤمنۃ (رواہ احمد)

عمر نے اس کے بعد آپ سے مل کر کہا مبارک ہو آپ کو اے ابو طالب کے فرزند آپ صبح و شام مستقل طور پر ہر صاحب ایمان مرد اور ہر صاحب ایمان عورت کے آقا ہو گئے۔ اس کی امام احمد بن حنبل نے تخریج کی ہے۔

ابن اثیر جزری نے بھی اسد الغابۃ (ج ۴ ص ۲۸) میں درج کیا ہے ان الفاظ میں کہ قال عمر بن الخطاب یا ابن ابی طالب اصبحت الیوم ولی کل مؤمن۔

حیدر آباد کے علمائے اہل حدیث میں سے وحید الزماں حیدر آبادی نے

اللغہ (مطبوعہ بنگلور پارہ ۱۶ صفحہ ۹۷) میں لکھا ہے:

"حضرت عمر نے حضرت علیؑ سے کہا تم تو ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کے مولا بن گئے۔ حضرت عمر نے حضرت علی کو مبارک دی جب آنحضرتؐ نے حدیث فرمائی: من کنت مولاہ فعلی مولاہ"

انتباہ

یاد رکھنا چاہئے کہ تاریخ کا فرض واقعات کو محفوظ کرنا ہے۔

واقعہ: پیغمبر خداؐ کی زبان پر ان الفاظ کا جاری ہونا ہے۔ وہ ہم دکھا چکے ہیں کہ شیعہ اور سنی میں متفق علیہ ہے۔ اب یہ کہ ان الفاظ کے معنی کیا ہیں؟ اس پر بحث کرنا تاریخ کے حدود سے باہر ہے۔

خلاصۂ فیصلہ۔ اس کا خلاصہ وہ ہے جسے اہل سنت کے ایک مشہور عارف شاہ علی حسن جائسی نے ان الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ "علی مولا بآں معنی کہ پیغمبر بود مولا" کیونکہ رسولؐ نے اپنی حدیث میں اپنے لئے اور حضرت علی کے لئے ایک ہی مولا دہرا دی ہے۔ لہٰذا اس فیصلے کے قبول کرنے سے کسی حدیث رسولؐ کے ماننے والے کو انحراف کی گنجائش نہیں ہے۔

مدینہ کی طرف واپسی اور لشکر اسامہ کے بھیجنے کی تیاری

رومیوں سے تصادم کی دو کڑیاں جنگ موتہ اور غزوہ تبوک کی شکل میں پہلے آچکی تھیں۔ تبوک میں کسی جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ صرف اسلام کے حلقہ اثر میں اضافہ ہوا۔ مگر موتہ کی جنگ میں جو مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی اس کی کوئی تلافی اب تک نہیں ہو سکی تھی جس کا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فطری طور پر صدمہ تھا۔ ظاہری بات تو یہی ہے اور باطنی طور پر خالق کی کچھ اور حکمتیں بھی اس سے وابستہ ہو سکتی ہیں جن میں سے بعض کا ممکن ہے بعد والے قرائن سے انکشاف ہو اور ممکن ہے کہ بعض اسرار سربستہ ہی رہ گئے ہوں۔

اگر پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر اپنے سے بس قرابت ہوا کرتی تو جنگ موتہ میں حقیقی علیہ طور پر پہلے سردار جناب جعفر طیار ہوئے اس لئے کہ وہ حضرت کے حقیقی چچازاد بھائی اور حضرت علی ابن ابیطالب کے سگے بھائی تھے مگر اکثر مورخین کے قول کے مطابق پہلے سردار جناب زید بن حارثہ حضرت کے آزاد کردہ غلام تھے۔ بے شک حضرت نے جناب جعفر سے نسبی قرابت اور

ان کے اوصاف کی بنا پر محبت فرماتے تھے اس لئے اُن کی وفات کا صدمہ آپ کو بہت ہوا۔ آپ کے گھر میں اُن کا ماتم ہوا اور حضرت فاطمہ زہرا کو ان کی خبر شہادت سے جو گریاں دیکھا تو بجائے گریہ سے منع کرنے کے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ علی مثل جعفر فلتبک البواکی۔ "جعفر ایسے شخص پر رونے والیوں کو رونا ہی چاہئے۔"

پھر بھی اب جنگ موتہ کے تدارک کے لئے جو فوج بھیجی جا رہی ہے تو یہ نہیں ہوا کہ عبداللہ بن جعفر کو جو عمر میں جوان نہیں تو نوجوانی کے حدود سے قریب ضرور تھے، سردار لشکر بنا کر بھیج دیں جس سے یہ سمجھنے کا موقع ہو تاکہ اپنے چچازاد بھائی جناب جعفر کے خون کا بدلہ لینے بھیج رہے ہیں لہذا ان کے ولی الدم کو سردار فوج بنائے ہیں بلکہ انہی زید بن حارثہ کے بیٹے اسامہ کو جو کم سن ہی تھے سردار لشکر بنایا اور بڑے بڑے اکابر صحابہ کو ان کی ماتحتی میں جانے کا حکم دیا۔ سوا حضرت علی بن ابی طالب کے باقی تمام قابل ذکر افراد اُن کے زیر قیادت جانے پر مامور ہوئے جن میں وہ افراد بھی تھے جو اس کے بعد اپنے یا دنیا کے نزدیک قیادت عظمیٰ کے اہل سمجھے گئے ان میں بڑی بڑی عمروں کے لوگ تھے اور اسامہ کم عمر تھے۔ اس پر اونچے حلقوں میں ناگواری کا اظہار ہوا جناب شیخ عبدالحق دہلوی مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں:۔

حکم عالی چنان صادر شد کہ اعیان — حضرت کی طرف سے حکم ہوا کہ بڑے بڑے

مہاجر و انصار مثل ابوبکر صدیق و
عمر فاروق و عثمان ذوالنورین و
سعد بن ابی وقاص و ابوعبیدہ بن
جراح وغیرہم الا علی مرتضیٰ را کہ ہمراہ
نکردہ وران لشکر ہمراہ اسامہ باشند
و این در خاطر بعض مردم گران آمد
کہ غلامی را بر مہاجرین و انصار امیر گرداند
و در مجالس از این جماعۃ سخنان از این
باب جاری شد و در ودی یافت
چون این اخبار بسمع شریف رسید
خاطر مبارک رنجیدہ شد و بغضب
در آمد.

مہاجرین و انصار جیسے ابوبکر صدیق
اور عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین اور
سعد بن ابی وقاص اور ابوعبیدہ بن
جراح وغیرہ سب اس لشکر میں اسامہ
کے ساتھ جائیں سوا علی مرتضیٰ کے جنھیں
ان کے ساتھ نہیں بھیجا اور یہ بات
بعض حضرات کو بہت گراں گذری کہ ایک
غلام کو مہاجرین و انصار کا سردار بنا دیا
اور ان لوگوں کے مجمعوں میں اس پر نکتہ
چینی ہونے لگی. جب یہ اطلاعات حضرت
کے کانوں تک پہونچے تو آپ کو رنج ہوا
اور حضرت غضبناک ہوئے.

اور پھر ان لوگوں کے اعتراض کا جواب جو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے، اس سے گذشتہ تاریخ کی ایک گم شدہ کڑی کا بھی پتہ ملتا ہے۔

آپ نے فرمایا:

"تم لوگوں نے اس سے پہلے اسامہ کے باپ زید بن حارثہ کو سردار بنانے پر بھی ناگواری ظاہر کی تھی اور اب تم اسامہ کو ناپسند کر رہے ہو

مگر خدا اور رسول تمہاری ناراضگی کی پرواہ نہیں رکھتے۔ جو فیصلہ خدا اور رسول کا ہے، وہ ٹل نہیں سکتا۔"

جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی لفظیں یہ ہیں:-

"سر منبر رفت و فرمود اے معشر الناس این چہ است کہ در باب امیر ساختن اسامہ را از شما سرمی زند در باب امارت پدرش در غزوہ موتہ نیز سخن می گردید بخدا سوگند کہ او سزاوار امارت است و پدرش نیز سزاوار امارت بود۔" (مدارج النبوۃ)

اس واقعہ میں دنیا کے لئے بڑی بصیرتیں مضمر ہیں۔ چوں کہ حضرت کچھ عرصے برابر عنقریب دنیا سے جانے کی طرف اشارہ فرما رہے تھے اس لئے دوسرے لوگوں کو بھی کچھ کچھ اس کا احساس ہو گیا تھا، اس کے ساتھ آپ نے اتنے اہتمام کیساتھ جو اپنی جانشینی کا اعلان فرمایا۔ اب آپ حضرت علی کے سوا باقی تمام ایسے عناصر کو جو اس کے بعد آپ کی جانشینی کے دعویدار ہو سکتے تھے مدینہ سے باہر بھیج رہے ہیں، یہ بات بڑی معنی خیز تھی۔ اسے بعد کے لوگوں نے سمجھ لیا چنانچہ شیخ مفید رح نے چوتھی صدی ہجری میں لکھا ہے کہ:

حتی لا یبقی فی المدینۃ عند وفاتہ من یختلف فی الریاسۃ ویطمع فی التقدم علی الناس

یہ اس لئے تھا کہ مدینہ میں آپ کی وفات کے وقت کوئی ایسا شخص نہ رہے جو امت کی سربراہی میں اختلاف کرے اور جو خود

لامامۃ ویستحقب الامر لمن استخلفہ من بعدہ ولا ینازع فی حقہ منازع (ارشاد مفید)

لوگوں کے آگے ہونے کی اپنے لیے توقع رکھتا ہو اور اسطرح اس شخص کے لیے جسے حضرت نے خود اپنا جانشین بنایا ہو مقصد کی تکمیل ہو جائے اور اس کے حق کے بارے میں کوئی نزاع کرنیوالا نزاع نہ کرے۔

اور اسی کو ساتویں صدی کی ایک نسبتہً مختصر الفاظ میں علامہ طبرسی نے لکھ دیا ہے:

انما فعل علیہ السلام ذلک لئلا یبقی بالمدینۃ عند وفاتہ علیہ السلام من یختلف فی الامامۃ ویطمع فی الامارۃ ویستوسق الامر لاھلہ (اعلام الوریٰ)

حضرت نے یہ صرف اس لئے کیا کہ مدینہ میں حضرت کی وفات کے وقت کوئی شخص ایسا نہ رہے جو امامت میں اختلاف کرے یا خود امیر بننے کا خواہشمند ہو اور اسطرح جو اس کا حقدار ہو اس کے لئے یہ امر پایہ تکمیل تک پہونچ جائے۔

تو بھلا وہ ذہین افراد جو اس معاملے سے دلچسپی رکھتے تھے، ہر وقت اسے کیوں کر نہ سمجھتے؟ بلاشبہ وہ رسول اللہ کے فرمان کو اپنے مقصد کے خاک میں ملنے کا سبب جانتے تھے۔ اب وہ کیا کرتے؟ انھوں نے اسامہ کی سرداری کو محل بحث بنایا یہ کہہ کر کہ یہ کم سن ہے۔ رسول اللہ نے خدا و رسول کے فیصلے کے اٹل ہونے کا اظہار فرما کر ایک طرف یہ ثابت کر دیا کہ اہل بیت کے مقابلہ میں اللہ کی

کی نظر میں سن و سال کوئی چیز نہیں۔ دوسری طرف یہ ثابت کر دیا کہ اسلامی منصب کے تقرر میں جمہور کا فیصلہ کوئی چیز نہیں بلکہ دارو مدار خدا اور رسولؐ کے فیصلہ پر ہے۔ اُس وقت کے اکثر مسلمانوں نے وقتی مفادات کی رو میں ان تعبیروں سے چشم پوشی کی تو بعد کے مسلمان جن کے ذاتی اغراض کوئی بھی نہیں ہیں، ان تعبیروں کو آخر کس لئے نظر انداز کریں اور حق پوشی سے کام لیں؟!

یہ ناگواری صرف ذہنی طور پر تھی یا زبانی سوالات و اعتراضات تک محدود رہی تو کوئی خاص بات نہ تھی کیونکہ پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے جیسے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم الٰہی اسلام کے مفادات کی خاطر انگیز فرما لیے تھے مگر اب یوں کہ جو کچھ ظاہر ہوا اس سے منصوبوں کے لحاظ سے خود اُن کے بعد کی حیات و موت کا سوال تھا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان کی تعمیل میں عملاً تاخیر سے کام لیا جانے لگا یہاں تک کہ کسی طرح لشکر روانہ ہو بھی گیا تو مدینہ سے باہر مقام جرف پر جا کر پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ یہاں حضرتؐ کی علالت بڑھ گئی، اُسی حالت میں آپ جس پر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس اطلاع سے ذہنی طور پر یہ کیفیت پیدا ہوئی کہ اب احساس ہو گیا کہ اُن منصوبوں کی تکمیل کے جو بعد رسولؐ کے

انتظام سے متعلق ہے ۔ وقت بہت قریب ہے اور ظاہری طور پر بہانہ بھی بن گیا کہ اب رسول ص کو بیمار چھوڑ کر جس میں روز بہ روز شدت ہوتی جاتی ہے ۔ ہم لوگ کیوں کر جائیں ۔ جب کہ ان لوگوں جنھیں جانا ہے رسول ص کے ہمراہ ایسے وہ حاضر باش افراد بھی ہیں جنھیں بظاہر اپنے خصوصیات کی بنا پر اس عالم میں رسول ص کو نہیں چھوڑنا چاہیئے مگر جتنا ان لوگوں کو اس کام کے لئے فوراً روانگی سے انکار ہے ۔ اتنا ہی اصرار رسول ص کو ان کے فوراً روانہ ہو جانے پر اصرار ہے ۔ یہاں تک کہ رسول ص اپنی علالت میں بار بار فرما رہے ہیں :-

نفذوا جیش اسامۃ — اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو

(اعلام : نوری)

مگر مصلحت بینی اور سیاسی عاقبت اندیشی غالب رہی اور رسول ص کے ان تمام احکام اور تاکیدوں کے اثر پر غالب رہی اور یہ لشکر رسول ص کی زندگی میں نہ جانا تھا ، نہ گیا ۔

maablib.com

رسولؐ کی علالت اور زندگی کے آخری حالات

ماہ صفر کی آخری تاریخوں میں حضرت صؐ پر بیماری کا زیادہ غلبہ ہوا۔ آپ نے اندازہ فرمایا کہ اس کے بعد آپ کی جسمانی طاقت زیادہ ساتھ نہ دے گی۔ آپ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھے۔ اصحاب کی ایک جماعت حضرت کے پیچھے چلا۔ حضرتؐ جنت البقیع میں تشریف لے گئے جہاں آپ کے خاص خاص اعزا و احباب دفن تھے۔ یہاں آپ نے اہلِ قبور کو سلام کیا اور اس تخاطب میں اپنے ساتھ والوں کو یہ اطلاع دی کہ اب میرے بھی دنیا سے جانے کا وقت قریب ہے اور پھر ان سب کے سب نے حضرت علی سے فرمایا کہ مجھے غسل تم ہی دینا ورنہ کسی کی نگاہ میرے پورے جسم پر نہ پڑے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ یہ سہ شنبہ کے دن کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد حضرت نے بیت الشرف کی طرف مراجعت فرمائی۔ اور اس کے بعد مرض میں اور شدت ہوئی اور جسمانی ضعف و نقاہت میں اضافہ ہوگیا۔

آخری خطبہ یا قیامت تک کے مسلمانوں کیلئے پیغامِ عمل

جمعہ کے دن حضرت صؐ نے آخری خطبہ ارشاد فرمایا جس میں مسلمانوں کو

قیامت تک کے لیے بڑی اہم ہدایت تھی مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسے فراموش کر دیا۔ یہاں تک کہ عام مسلمانوں کی تاریخ میں اس کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ ہمارے علما اور محدثین میں جناب شیخ مفید نے ارشاد میں اور علامہ طبرسی نے اعلام الوریٰ میں یہ خطبہ درج فرمایا ہے، اس میں حضرتؐ نے فرمایا:-

یا معشر الناس انه لیس بین الله و بین احد شیء یعطیه به خیرا او یصرف به عنه شرا الا العمل الصالح ایها الناس لا یدعین مدع و لا یتمنین متمن والذی بعثنی بالحق لا ینجی الا عمل مع رحمة الله ولو عصیت لهلکت اللهم بلغت ثلاثا

اے گروہ مردم! یقین جانو کہ اللہ اور کسی بھی شخص کے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جو اسے کچھ بھلائی عطا کر سکے یا اس سے کسی برائی کو دور کر سکے سوائے نیک اعمال کے۔ اے گروہ مردم! کوئی دعویدار دعویٰ نہ کرے اور کوئی سبز باغ دیکھنے والا آرزوؤں کے سبز باغ نہ دیکھے۔ قسم اس کی جس نے مجھے سچائی کے ساتھ بھیجا ہے مجھے بھی سوائے عمل کے کوئی چیز نہیں جو نجات دے ہاں اس کے ساتھ اللہ کی رحمت اور اگر میں بھی نافرمانی کروں تو کھٹکا ہے کہ تباہ ہوں۔ پھر تین دفعہ کہا گواہ رہنا میں نے جو پہنچانا تھا پہنچا دیا۔

ارشاد مطبوعہ لکھنؤ ص ۸

اعلام الوریٰ ط ایران ص ۱

یہ فرما کر حضرت منبر سے نیچے اترے اور نماز پڑھائی۔ پھر گھر واپس تشریف لے گئے۔

نقل مکان اور امامت نماز کا منصوبہ

اب تک حضرتؐ ام المومنین جناب ام سلمہ رضؓ کے مکان میں تھے۔ اب جب کہ آثار و قرائن سے سب کو محسوس ہوا کہ حضرتؐ کے اس دار دنیا میں آخری دن ہیں تو ام المومنین عائشہ رضؓ نے آکر درخواست کی کہ آپؐ میرے یہاں تشریف لے چلیں، میں تیمار داری کروں گی۔ مجسمہ اخلاق عظیم نے اس درخواست کو منظور فرما لیا، سب کے اندازہ کے مطابق پیغمبرؐ کی طبیعت گر ہی رہی تھی اور اب یہ عالم تھا کہ اکثر اوقات غشی طاری رہتی تھی۔ اسی دن صبح کے وقت بلال نے آکر جب اطلاع دی تو اس رات شاید خاص طور پر جناب عائشہ کے مکان میں ام المومنین حفصہ بھی موجود تھیں۔ آپس میں کہا گیا کہ پیغمبر خداؐ کی حالت اس کی متقاضی نہیں ہے کہ وہ خود نماز کے لئے تشریف لے جائیں، اس لئے کسی اور کو اس وقت نماز پڑھانے کے لئے کہہ دیا جائے۔ چنانچہ جناب عائشہ نے اپنے پدر بزرگوار ابو بکر کو تجویز کیا اور جناب حفصہ نے اپنے والد ماجد عمر کا نام لیا مگر تیزی سے کام دیکھئے حضرت ابو بکر کے پاس آدمی بھیج دیا گیا کہ حضرتؐ کی حالت دگرگوں ہے۔ اس وقت نماز آپ پڑھائیے ـــــ یہی وہ کل نے کی نماز جماعت ہے جس کی تاریخ نہیں بلکہ علم کلام و مناظرہ کی فضا میں زبردست

گونجے ہے۔

یہاں ہماری تاریخ جو بتاتی ہے؛ وہ علامہ طبرسیؒ کی لفظوں میں یہ ہے:

قالت عائشة مروا ابا بکر لیصلی	عائشہ نے کہا ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھائیں
بالناس وقالت حفصة مروا	اور حفصہ نے کہا عمر سے کہو حضرت رسول خدا
عمر فقال صلی اللہ علیہ و	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ باتیں ختم کرو تم
آلہ وسلم اکففن فانکن	یوسف کا جن سے سابقہ پڑا تھا ویسی ہی
صویحبات یوسف ثم قام	عورتیں ہو۔ پھر کھڑے ہو گئے اس عالم میں کہ
وھو لا یستقل علی الارض	بے سہارا زمین پر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے
من الضعف وکان عندہ	اور حضرت کے نزدیک وہ دونوں اسامہ کے
انھما خرجا الی اسامة	لشکر میں گئے ہوئے تھے تو آپ نے علی بن
فاخذ بید علی بن ابی طالب	ابی طالب اور فضل بن عباس کا ہاتھ پکڑا
وفضل بن عباس فاعتمدھما	اور ان کا سہارا لیا اور آپ کے پیر کمزوری سے
ورجلاہ یخطان الارض	زمین پر گھسٹتے جا رہے تھے جب آپ مسجد میں پہنچے
من الضعف فلما خرج الی	تو ابوبکر کو دیکھا کہ وہ محراب میں پہونچ چکا ہے
المسجد وجد ابا بکر قد سبق	آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو ابوبکر پیچھے
الی المحراب فاوما الیہ بیدہ	ہٹے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
فتأخر ابو بکر وقام رسول اللہ	کھڑے ہوئے اور آپ نے تکبیر کہہ کے

صلی اللہ علیہ وسلم وکبّر
وابتدأ الصلوٰۃ فلما سلّم
وانصرف الی منزلہ استدعیٰ
ابابکر وعمر و جماعۃ
ممن حضر المسجد ثم قال:
الم آمرکم ان تنفذوا جیش
اسامۃ۔ فقال ابوبکر انی
کنت خرجت ثم عدت لاحدث
بک عھدا۔ وقال عمر انی لم
اخرج لانّنی لم احبب ان اسأل
عنک الرکب۔ فقال نفذوا
جیش اسامۃ یکرّرھا
ثلاث مرّات۔ ثم اغمی علیہ
من التعب الذی لحقہ۔ [1]

نماز شروع کی۔ جب آپ نے سلام پھیرا
اور مکان کی طرف مراجعت فرمائی تو ابوبکر
اور عمر اور کچھ دوسرے لوگوں کو جو مسجد میں
تھے طلب فرمایا۔ پھر فرمایا کیا میں نے تم
لوگوں کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ اسامہ کے
لشکر کے ساتھ روانہ ہو۔ اس پر ابوبکر نے
کہا کہ میں گیا تھا۔ پھر واپس آیا کہ آپ کی
ایکدفعہ زیارت اور کرلوں اور عمر نے کہا
میں نہیں گیا اس لئے کہ میں نے یہ نہیں
چاہا کہ میں مسافروں سے جو یہاں سے
جائیں آپ کا حال پوچھتا رہوں۔ یہ سن کر
حضرت نے پھر تین دفعہ فرمایا ارے اسامہ کے
لشکر کو روانہ کرو۔ اس کے بعد اس تکان سے
جو آپ کو ہوئی تھی آپ پھر بیہوش ہو گئے۔

---

[1] اعلام الوریٰ ص ۱۴۱

واقعہ نماز کی یہی تفصیلی کیفیت اس سے مقدم عالم جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے بھی درج کی ہے ؎۔

اب اس سیرت محور کے مصنفین نے جو جو گل افشانیاں فرمائی ہیں انھیں دیکھئے اور پھر اگر ضمیر کچھ پتہ دے کہ اصلیت کیا ہے تو اسی کو اصل تاریخی حقیقت سمجھیے۔

علامہ ابن خلدون جو تاریخ کے امام مانے جاتے ہیں اور درایت کو روایت سے مقدم سمجھتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ کے پہونچنے پر حضرت ابوبکر نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ حضرت نے کھینچ کر انھیں ان کی جگہ پر کھڑا کیا۔ اور جہاں تک سورہ انھوں نے پڑھا تھا وہاں سے خود شروع کر دیا۔ اب نماز یوں ہوئی کہ ابوبکر نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ اور باقی سب نے ابوبکر کی اقتدا کی۔

اب یہ بات فقہائے امت کے طے کرنے کی ہے کہ پوری جماعت ایک امام کی مقتدی ہو اور وہ امام کسی دوسرے کا ماموم بنا ہوا نماز پڑھ رہا ہو۔

محدث دہلوی شاہ عبدالحق نے اس کی تشریح کچھ اس طرح کی ہے کہ حضرت ابوبکر کی حیثیت امام جماعت نہیں، بلکہ مکبر کی رہ جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وہ ابوبکر مقتدی اے بود ندو مردمان مقتدی بہ ابوبکر بود ند یعنی بواسطہ تکبیر دے بر افعال و انتقالات پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

وقوف بی یا نقتدی:

غالباً علامہ شبلی نے انہی کی پیروی کی ہے جو یہ الفاظ لکھے ہیں کہ "آپؐ کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ کر دوسرے لوگ ارکان ادا کرتے جاتے تھے۔" (سیرت النبی حصہ دوم ص۱۳۵)

ان کے شاگرد رشید شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں:-

"غسل فرما کر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سہارے مسجد تشریف لے گئے۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ آپؐ کی آہٹ پا کر پیچھے ہٹے۔ آپؐ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔"

(تاریخ اسلام حصہ اول ص۱۱۴)

جناب ندوی صاحب نے بھی بلا شبہ حقیقت پسندی سے کام لیا ہے کہ انھوں نے "نماز پڑھی" کے بجائے "نماز پڑھائی" لکھا ہے۔

maablib.com

نفسیاتی حرب اذیت

اور

آخری کوشش

تاریخ کا شروع سے دوبارہ ایک طائرانہ مطالعہ کر لیجئے اور پھر اگر محسوس ہو سکتا ہے تو محسوس کیجئے کہ وہ پیغمبر جس نے ہدایت خلق کے لئے تمام مصائب برداشت کئے، پوری زندگی اسی کاوش میں صرف کی، اور اب دنیا سے اٹھنے کا زمانہ جتنا جتنا قریب آتا گیا، اسے برابر یہ فکر رہی اور بڑھتی گئی کہ اُس کے بعد اُس کی محنت برباد نہ ہو جائے، اس کے لئے اُس نے بعد کے لئے مسلسل ہدایتیں کیں، لگاتار اعلانات کئے اور کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اب وہ اپنے آخری لمحات حیات میں اپنی آنکھوں سے ہوا کا رُخ بدلا ہوا دیکھ رہا ہے۔ وہ مسلمان جن کو سبق یہ دیا گیا ہے کہ کبھی حکم پیغمبر سے انحراف نہ کرنا جس کے لئے رسولؐ کا ایک اشارہ اس کے پہلے منصوبوں کی تکمیل کے لئے کافی ہوا کیا۔ اس وقت رسولؐ جو آنکھوں سے دیکھ رہا

ہیں کہ ان کی مسلسل تاکیدوں اور سخت سے سخت الفاظ میں تنبیہوں کے باوجود عوام کا کیا ذکر، وہ خواص جن پر عوام کی نگاہیں پڑ سکتی ہیں، وہ کبھی ان کے احکام پر عمل کرنا کیسا، پرواہ نہیں کر رہے ہیں۔ اس سے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فطری طور پر محسوس فرما سکتے ہیں کہ جب میرے سامنے صرف میری بیماری کے ضعف و نقاہت کو دیکھ کر اس طرح میری ہدایتوں کی مخالفت ہو رہی ہے تو میرے بعد کیا ہوگا؟ آپ کو نماز جماعت والے معاملہ سے اب شدت کے ساتھ یہ مشاہدہ ہو گیا کہ جس ہستی کو خدا اور رسول ص اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے آگے بڑھانا ضروری سمجھتے تھے، اس وقت آپ کے گرد و پیش یہ پالیسی کارفرما ہے کہ اس ہستی کو نظر انداز کیا جائے، دوسرے لوگوں کو آگے بڑھایا جائے اور اب یہ بالکل نمایاں ہو گیا تھا کہ لشکر اسامہ کی روانگی میں تاخیر انہی منصوبوں کی تکمیل کے لئے ہے جو منشائے خدا و رسول ص کے خلاف قرار دیئے گئے ہیں۔ دنیا رسول ص کے بس مرض کی حالت دیکھ رہی تھی اور کرب و اذیت کو اسی کا نتیجہ سمجھتی یا سیاسی طور پر ظاہر کرنا چاہتی تھی مگر حقیقۃً حضرت کو اس مرض کی تکلیف سے زیادہ اس وقت روحانی کرب و اذیت نے بے چین کئے ہوئے تھی۔

اس عالم میں آپ نے آخری کوشش اتمام حجت کی فرمائی اور ارشاد

کیا کہ میرے پاس دوات و قرطاس (کاغذ) لے آؤ کہ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس سے میرے بعد قیامت تک کے لئے تم گمراہی سے محفوظ ہو جاؤ۔ اسے پہلے ایک شیعہ مورخ کے قلم سے دیکھئے، پھر مورخین و محدثین اہل سنت کے بیانات سے اُس کی مطابقت کیجئے:۔

اغمی علیہ من التعب الذی
لحقہ فمکث ہنیئۃ و بکی
المسلمون وارتفع النحیب
من ازواجہ وولدہ ومن
حضرہ فافاق فقال:
ایتونی بدواۃ وکتف
اکتب لکم کتابا لا تضلوا
بعدہ ابدا ثم اغمی علیہ
فقام لبعض من حضرہ
اصحابہ لیلتمسوا دواۃ وکتفا
فقال لہ عمر: ارجع فانہ
یہجر فلما افاق قال بعضھم
الا ناتیک یا رسول اللہ

اس شدید تکان سے جو حضرت کو ہوئی، آپ پر
غشی طاری ہو گئی اور دیر تک یہ حالت رہی
اور مسلمانوں میں شور و گریہ بلند ہوا اور حضرت
کی ازواج و اولاد اور تمام حاضر الوقت اشخاص
کی صدائے گریہ تو حضرت نے غش سے آنکھیں کھولیں
اور فرمایا دوات لے آؤ اور (ذبیحہ جانور کا)
شانہ (جس پر مثل کاغذ کے اُس زمانہ میں لکھا
جاتا تھا) میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں
کہ تم کبھی اس کے بعد گمراہ نہ ہو۔ اس کے بعد پھر
حضرت کو غشی آگئی اور اب مخصوص حاضر الوقت
اشخاص میں سے کوئی اٹھا کہ دوات اور ایسی
چیز (شانہ جس پر لکھا جا سکے) لے آئے تو عمر نے
اس سے کہا کہ واپس آ جاؤ۔ حضرت پر ہذیانی

بکتف ودواة فقال أبتد کیفیت طاری ہے۔ اب حضرت نے جو آنکھ کھولی تو
الذی قلتم ؟ لا کسی نے کہا اے رسول خدا ہم لکھا دوات اور دو شانہ جس کی
(ارشادات واعلام الوری احمد) لکھنا چاہتے ہیں آپ کے پاس لاؤں آپ نے فرمایا: کیا اس جملہ
کے بعد جو تم لوگوں نے کہا اب نہیں۔ (اب بیکار ہے)

اب اہل سنت کے صحاح حدیث و تاریخ کو دیکھتے ہیں تو وہاں
یہ واقعہ زیادہ واضح انداز میں ملتا ہے۔

صحیح بخاری میں سعید بن جبیر کی زبانی ابن عباس رضہ سے نقل کیا
ہے کہ وہ کہتے ہیں:۔

یوم الخمیس وما ادراک ما روز پنجشنبہ اور تمہیں کیا معلوم روز پنجشنبہ کیا ہے؟
یوم الخمیس اشتد برسول رسول خدا پر مرض کی شدت ہو گئی تو آپ نے فرمایا:
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لاؤ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ دوں جس کے بعد
وجعه فقال ائتونی اکتب لکم تم کبھی گمراہ نہ ہو تو لوگوں میں جھگڑا ہوا اور کسی پیغمبر کے
کتابا لن تضلوا بعده ابدا پاس جھگڑا ٹھیک نہیں ہے تو کچھ لوگوں نے کہا یہ ان کا
فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی کیا حکم ہے کہا استفہام ہذیانی کیفیت ہے۔ پھر دوبارہ
تنازع فقالوا ما شانه اھجر دریافت کرو تو گئے آپ کے پاس کہ پھر پوچھیں۔ فرمایا
استفہموہ فذھبوا یردون چھوڑ دو مجھے میں جس حال میں ہوں بہتر ہے اس سے
علیه فقال دعونی فالذی انا جس کے تم مجھ سے طلب گار ہو۔

فیہ خبروا عمات دعونی الیہ

(صحیح بخاری مع تیسیر الباری

شائع کردہ امجد اکیڈمی لاہور جلد ۴

ص ۳۲۷

دوسری حدیث پھر بخاری میں اسی کے بعد ہے:۔

عن الزہری عن عبید اللہ
بن عبد اللہ ابن عتبۃ عن ابن
عباس قال لما حضر رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی البیت
رجال فقال النبی صلی اللہ علیہ
وسلم ھلموا اکتب لکم کتابا
لا تضلوا بعدہ فقال
بعضہم ان رسول اللہ قد
غلب علیہ الوجع وعندکم
القرآن حسبنا کتاب اللہ
فاختلف اھل البیت واختصموا
فمنہم من یقول قربوا یکتب

زہری کی روایت ہے عبید اللہ بن عبد اللہ
بن عتبہ کے ذریعے جناب ابن عباس سے کہ
جب حضرت پیغمبر خدا کے احتضار کا عالم قریب
تھا، اس وقت گھر میں کچھ لوگ تھے حضرت
نے فرمایا آؤ! میں تمہیں ایک نوشتہ لکھ دوں
جس کے بعد گمراہ نہ ہو اس پر بعض اشخاص نے کہا کہ
رسول خدا پر مرض کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس
قرآن موجود ہے کتاب الٰہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اب
گھر والوں میں اختلاف ہوا اور ان میں جھگڑا ہونے
لگا۔ کوئی کہتا تھا قلم دوات لے آؤ وہ تمہارے
لئے ایسا نوشتہ لکھ دیں جس کے بعد گمراہ نہ ہو
اور کوئی کچھ اور کہتا تھا تو جب بہت شور و

...كتابا لا تضلوا بعده
منهم من يقول غير ذلك
فلما اكثروا اللغط والاختلاف
قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم قوموا عني قال عبيد الله
فكان يقول ابن عباس ان
الرزية كل الرزية ما حال
بين رسول الله صلى الله عليه
وسلم وبين ان يكتب لهم
ذلك الكتاب
(ص ۳۲۸)

شور غل ہوا تو رسول خدا ص نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ عبید اللہ کا بیان ہے کہ ابن عباس کہتے تھے مصیبت، اصل مصیبت پوری کی پوری وہی تھی کہ رسول خدا ص کو تحریر لکھنے نہ دی گئی۔

مسند امام احمد بن حنبل میں کئی جگہ یہ حدیث ہے جن میں سے بعض میں اس ابہام کو دور کر دیا گیا ہے کہ رسول ص کی طلب پر اصل مخالفت کرنے والا اور اس خاص جملہ کا کہنے والا کون تھا؟

(۱) ج ۵ ص ۱۱۶

عن سعيد بن جبير عن ابن
عباس انه قال يوم الخميس وما

سعید بن جبیر کی روایت ہے کہ ابن عباس سے کہ انہوں نے کہا پنجشنبہ کا دن اور کیا تھا وہ

يوم الخميس، ثم نظرت دموعه
على خديه تحدر كانها
نظام اللؤلؤ قال، قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم
ائتوني باللوح والدواة
او الكتف اكتب لكم كتابا لن
تضلوا بعده ابدا فقالوا
رسول الله يهجر

پنجشنبہ کا دن پھر میں نے دیکھا کہ ان کے آنسو ان
ان کے دونوں رخساروں پر موتیوں کی لڑی
کی طرح مسلسل بہہ رہے ہیں انھوں نے کہا کہ
پیغمبر خدا ص نے فرمایا کہ میرے پاس تختی اور
دوات یا شانہ گوسفند (جس پر لکھا جاتا تھا)
لاؤ تو میں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد
تم کبھی بھی گمراہ نہ ہو تو لوگوں نے پیغمبر
(معاذ اللہ) ہذیان بک رہے ہیں۔

(۲) ج ۵ ص ۳۹

عن عبيد الله بن عبد الله
بن عباس قال: لما حضر
رسول الله صلى الله عليه
وسلم وفي البيت رجال
وفيهم عمر بن الخطاب قال النبي
صلى الله عليه وسلم اكتب
لكم كتابا لن تضلوا بعده ابدا

عبید اللہ بن عبد اللہ کی روایت ہے ابن
عباس سے۔ انھوں نے کہا کہ جب رسول خدا
کے احتضار کا وقت قریب آیا، اور اُس وقت
مکان میں کچھ لوگ تھے جن میں عمر بن خطاب
بھی تھے۔ رسول نے فرمایا میں تمھارے لئے
ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ کبھی گمراہ نہ ہو
تو عمر نے کہا کہ رسول خدا ص پر مرض کی تکلیف

فقال عمر ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قد غلب علیہ الوجع
وعندنا القرآن حسبنا کتاب
اللہ۔ فاختلف اھل البیت
فاختصموا منھم من یقول قربوا
یکتب لکم کتابا لا تضلوا
بعدہ ومنھم من یقول
ما قال عمر فلما اکثروا اللغو
والاختلاف عند رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قوموا قال عبید اللہ فکان
ابن عباس یقول ان الرزیۃ
کل الرزیۃ ما حال بین رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وبین ان یکتب لھم ذلک
الکتاب من اختلافھم ولغطھم۔

کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس قرآن موجود ہے
کتاب خدا ہمارے لئے کافی ہے تو گھر میں
اس وقت جو لوگ تھے ان میں اختلاف ہو گیا
جس نے جھگڑے کی صورت اختیار کر لی۔ ان میں
سے کوئی کہتا تھا ان کے پاس لے آؤ کہ لکھ دیں
تمہارے لئے تحریر جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو اور بعض
ان میں سے وہ کہتے تھے جو عمر نے کہا تھا تو جب
بیہودگی اور اختلاف رسول خدا کے پاس
بہت ہوا تو حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم نے فرمایا کہ اٹھ جاؤ۔ عبید اللہ کا
بیان ہے کہ ابن عباس کہتے تھے کہ مصیبت
ساری مصیبت وہی تھی کہ رسول خدا صلے
اللہ علیہ وسلم کے سد راہ ہوا گیا اختلاف
اور شور وغل کر کے اس سے کہ آپ وہ نوشتہ
تحریر فرمائیں۔

(٣) ج ۴ ص ٢٣٥

عن طاؤس عن ابن عباس قال لما حضر رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ائتونی بکتف اکتب لکم فیه کتابا لا یختلف منکم رجلان بعدی وقال فاقبل القوم فی لغطهم فقالت المرأة ویحکم عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

طاؤس کی روایت ہے ابن عباس سے انہوں نے کہا کہ جب رسول خدا ص کے احتضار کا وقت قریب تھا تو فرمایا لاؤ ایک شانہ کہ اس میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس سے پھر تم میں کسی دو آدمیوں میں اختلاف نہ ہو اس پر لوگ شور وغل کرنے لگے۔ تو خاتون نے کہا اے وائے ہو تم پر رسول خدا ص کے عہد وپیمان کو یاد کرو۔

اس روایت میں یہ آخری ایک جزو بڑا خاص ہے مگر راوی نے خاتون کی لفظ کو مبہم چھوڑ کر یہ تشنگی باقی رکھی کہ وہ محترم خاتون کون تھیں جنہوں نے اصحابہ کو مختصر مگر ایسے سخت الفاظ میں متنبہ کیا اور پھر وہ عہد وپیمان کیا ہے جسے ان خاتون نے یاد دلایا۔

maablib.com

(۴) ج ۴ ص ٢٥٦

عن عبید الله بن عبد الله عن ابن عباس قال لما حضرت

عبید اللہ بن عبد اللہ کی روایت ہے ابن عباس سے کہ جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

رسول الله صلى الله عليه وسلم
الوفاة قال هلم اكتب لكم
كتابا لن تضلوا بعده و
في البيت رجال فيهم عمر بن
الخطاب فقال ان رسول الله صلى
الله عليه وسلم قد غلبه الوجع
وعندكم القرآن حسبنا كتاب
الله فاختلف اهل البيت
فاختصموا منهم من يقول يكتب
لكم رسول الله صلى الله عليه
وسلم او قال قربوا يكتب
لكم رسول الله صلى الله عليه
وسلم ومنهم من يقول ما قال
عمر فلما اكثروا اللغط
الاختلاف عند رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال
قوموا عني فكان ابن عباس

کی وفات کا وقت قریب ہوا تو فرمایا:
آؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس
کے بعد تم گمراہ نہ ہو اور اس وقت اس مکان
میں بہت سے لوگ تھے جن میں عمر بن خطاب
بھی تھے تو انہوں نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم پر مرض کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن
موجود ہے ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے
وہ کہتے تھے کہ اس مکان کے آدمیوں میں
اختلاف ہوا تو جھگڑنے لگے حتی کہ جھگڑا ہو گیا
تو ان میں کوئی کہتا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ
لکھ دیں جو لکھنا چاہتے ہیں یا یہ کہ ان کے
لئے قلم دوات وغیرہ دو کہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم تمہارے لئے لکھ دیں اور ان میں
سے بعض نے وہی کہا جو عمر نے کہہ دیا تھا
تو جب ہوا اس اور اختلاف بہت ہو گیا اور
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے
تکلیف ہوئی تو آپ نے فرمایا میرے پاس سے

یقول ان الرزیة کل الرزیة
ما حال بین رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم وبین ان
یکتب لہم ذلک الکتاب
من اختلافہم ولغطہم

اٹھ جاؤ۔ تو ابن عباس کہتے تھے کہ مصیبت
ساری مصیبت یہی تھی کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس تحریر
کے لکھنے سے اختلاف اور بکواس کرکے
روک دیا گیا۔

آخری وصیتیں

"دوات و قرطاس" کے واقعہ کے بعد حضرت کو جماعت کی طرف سے اتنا صدمہ پہنچا کہ آپ نے لوگوں کی طرف سے منہ موڑ لیا اور پھر ایک حرف زبان مبارک پر جاری نہیں فرمایا۔ جب سب نے یہ دیکھا تو اٹھ گئے اب خاص آپ کے اعزا رہ گئے۔ تھوڑی دیر میں یہ حضرات بھی رخصت ہوئے۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے چچا عباس اور بھائی علی ابن ابی طالب کو واپس بلا لو۔ یہ دونوں آدمی آکر بیٹھے۔ حضرت نے پہلے اپنے عم محترم کو مخاطب کرکے فرمایا: چچا! آپ میری وصیت کو پورا کرنے کی ذمہ داری لیتے اور جن جن سے میرے جو وعدے ہیں ان کو پورا کرنے اور میرے قرضے ادا کرنے پر تیار ہیں؟ جناب عباس رض نے کہا: میں اب سن رسیدہ

ہو گیا ہوں اور اہل و عیال بھی میرے بہت ہیں اور آپ کی فیاضی ہوا کا مقابلہ کرتی ہے۔ نجانیں آپ نے کس کس سے آپ نے کتنے وعدے کر لئے ہوں۔ میں اس ذمہ داری کے پورا کرنے سے قاصر ہوں۔ اس پر حضرتؐ نے جناب علی ابن ابی طالب کی طرف رخ کیا۔ اور وہی سب باتیں پیش فرمائیں۔ آپ نے تمام باتوں کا اقرار کیا۔ تب حضرت صلعم نے آپ کو گلے لگایا اور اپنی انگوٹھی انگلی سے نکال کر دی کہ اسے تم پہن لو۔ اس کے بعد اپنی تلوار اور اپنی زرہ منگوائی اور فرمایا ان چیزوں کو میری زندگی میں اپنے قبضہ میں لے لو اور اپنے مرکب خاص کو زین و لجام سے آراستہ کر کے آپ کو دیا اور کہا اسے اپنے گھر پر لے جاؤ۔[۱]

اس سب سے حضرت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اپنے گرد و پیش والوں سے غیر مطمئن ہونا بالکل نمایاں تھا اور اس کے ساتھ یہ بھی یقینی ہے کہ آپ کے پاس ہی وہ عنصر موجود تھا جو یہ خبریں باہر ان افراد کو جنھیں اس سے دلچسپی ہو سکتی تھی پہونچا رہا تھا۔ جس کی بنا پر خدا اور رسول صلعم کے مقصد کو پامال کرنے کی اُدھر پوری تیاری ہو رہی تھی جس پر سے پردہ اُس وقت اٹھے گا جب اس کا وقت آئے گا۔

زندگی کا آخری دن اور وفات

گزشتہ واقعات کے بعد ایک دن ایسا گزرا کہ جس میں حضرتؐ نے
ممانعت فرما دی تھی کہ کوئی میرے پاس آنے نہیں اور حالت حضرتؐ کی
غیر ہو گئی۔ حضرت علی ابن ابی طالب، حضرتؐ سے کسی وقت بغیر کسی اہم ضرورت
کے جدا نہیں ہوتے تھے۔ اتفاق سے کسی ایسی ہی ضرورت سے آپ کہیں
چلے گئے تھے، اس دوران میں رسولؐ کی آنکھ کھلی تو فرمایا: "ادعوا لی
اخی وصاحبی" "میرے بھائی اور میرے رفیق خاص کو میرے پاس لاؤ"
یہ کہہ کر حضورؐ نے آنکھ بند کر لی۔ ان الفاظ کے ابہام سے فائدہ اٹھا کر جناب
عائشہ نے حضرت ابو بکر کو بلوا لیا۔ وہ آئے اور رسولؐ نے دیکھا تو منھ
پھیر لیا۔ وہ چلے گئے۔ پھر دوسری دفعہ فرمایا: میرے بھائی اور ہمدم کو بلاؤ۔
اب کی جناب حفصہ نے اپنے والد ماجد جناب عمر کو بلوا لیا اور پہلے ہی طرح کی
رسولؐ نے دیکھ کر چہرہ موڑ لیا۔ آخر جناب ام سلمہ رضوان اللہ علیہا نے کہا:
ارے صاحبو! علی کو بلاؤ ان کا مقصود ان کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اب کوئی
جا کر حضرت علی کو بلا کر لایا۔ جب وہ آئے تو حضرتؐ نے انھیں اپنے قریب

بلایا اور سینہ سے لگا کر دیر تک آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے۔ پھر حضرت علی کھڑے ہو گئے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے کہ آرام فرمایا۔ بس اس کے تھوڑی ہی دیر بعد حضرتؐ پر احتضار کی کیفیت طاری ہو گئی۔ آپ نے فرمایا: یا علی! تم میرا سر اپنی گود میں لے لو۔ اپنا ہاتھ میرے منھ کے قریب رکھنا اور میرا دم نکلے تو اپنا ہاتھ اپنے منھ پر مل لینا۔ مجھے قبلہ رخ کر دو اور تم ہی میرے تمام امور کو انجام دینا اور سب سے پہلے تم نماز پڑھانا اور جب تک مجھے قبر میں دفن نہ کر لو مجھ سے جدا نہ ہونا۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے سر مبارک گود میں لے لیا اور حضرتؐ پر غشی طاری ہو گئی۔ حضرت فاطمہ نے جھک کر حضرتؐ کے چہرۂ مبارک پر نظر کی اور ایک دم گریہ طاری ہو گیا اور یہ شعر پڑھنے لگیں جسے خود ایک موقع پر رسولؐ پڑھوا چکے تھے

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ

ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھ کھول دی اور بہت کمزور آواز میں فرمایا یہ ہمارے چچا ابوطالب کا شعر ہے۔ مگر اب اس وقت موقع اس کلام ربانی کے پڑھنے کا ہے کہ:

وما محمد الا رسول قد خلت من — محمد نہیں ہے مگر اللہ کا ایک پیغمبر جس کے پہلے

قبلہ الرسل افئن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم
سب پیغمبر گذر گئے۔ تو کیا یہ اگر مر جائے یا قتل کر دیا جائے تو تم الٹے پیچھا پھیر دو یا پلٹ جاؤ گے

اس ارشاد سے بھی بالکل نمایاں ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس وقت آخر میں خلق خدا کی فکر ہے اور جیسے آپ آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے ہیں کہ امت نے آپ کی ہدایتیں اور وصیتیں سب بھلا دی ہیں اور اس کی اکثریت راہ حق سے منحرف ہو گئی ہے۔ اس پر حضرت فاطمہ زہرا ع دیر تک روتی رہیں۔ حضرت ص نے اشارہ کیا کہ میرے قریب آؤ۔ آپ قریب آئیں تو حضرت ص نے آہستہ سے آپ کے کان میں ایک بات کہی جس پر آپ کا چہرہ بشاش ہو گیا۔

بعد میں حضرت فاطمہ نے بیان کیا کہ اس وقت حضرت ص نے مجھے اطلاع دی تھی کہ تم میرے اہل بیت میں سب سے پہلے مجھ سے آکر ملو گی۔ غنیمت ہے کہ یہ واقعہ شبلی صاحب کو بھی یاد آگیا ہے مگر کس طرح کہ "آپ کو حضرت فاطمہ زہرا سے بے حد محبت تھی۔ اثنائے علالت میں ان کو بلا بھیجا۔ تشریف لائیں تو ان سے کچھ کان میں باتیں کیں۔ وہ رونے لگیں۔ پھر بلا کر کچھ کان میں کہا تو ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہ نے دریافت

ملاحظہ ... اس محبت کے حضرت فاطمہ اپنے باپ کی اتنی شدید علالت میں ان کے پاس موجود نہ رہتی تھیں۔ رسول کو بلوانے کی ضرورت ہوتی تھی (استغفر اللہ)

کیا تو کہا پہلی دفعہ آپ نے فرمایا کہ میں اس مرض میں انتقال کر دوں گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تمہیں مجھ سے آکر ملو گی تو ہنسنے لگی۔" (سیرت النبی حصہ دوم ص ۱۸۰)

اس کے بعد حضرت فاطمہ کا ذکر آگیا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ آپ باپ کے پاس موجود رہتی تھیں۔ یہ ذکر اس طرح ہے کہ:۔

"دن جیسے جیسے چڑھتا تھا آپ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا حضرت فاطمہ زہرا یہ دیکھ کر بولیں: واکرب اباہ "ہائے میرے باپ کی بے چینی"۔ آپ نے فرمایا کہ "تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا" (ص ۱۸۲)

بس اس کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ اس وقت حسب الحکم حضرت علی بن ابی طالبؑ اپنا داہنا ہاتھ حلقوم مبارک کے نیچے رکھے ہوئے تھے جیسے دست اقدس کی مفارقت کے بعد آپ نے اپنے منہ پر ملا۔ پھر جو آداب میت ہیں انہیں پورا کیا اور تجہیز و تکفین کے انتظامات میں مصروف ہو گئے۔

یہ کتنا فطری مرقع ہے بشریت کا ان واقعات کا جو ہماری تاریخ میں درج ہے بھلا عام تاریخوں کو جو حکومتوں کے زیر سایہ مرتب ہوئی ہیں، توفیق تھی کہ وہ سچی تصویر کے اس مرقع کو اپنے صفحات میں محفوظ کریں۔

بے شک اس مرحلہ پر جناب شبلی نے بھی لکھا ہے کہ "تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ اقارب نے انجام دی۔ فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے پردہ کیا اور حضرت علی نے غسل دیا۔ حضرت عباس بھی موقع پر موجود تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے پردہ بھی کیا تھا۔" (سیرۃ النبی ج ۲ ص ۱۸۴)

مدینہ میں کہرام

ظاہر ہے کہ صحابہ رسول ص کی عام جماعت یعنی مدینہ کے تمام مسلمانوں کو تو سیاسیات سے دلچسپی نہ تھی۔ اُن پر حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کا جو اثر ہوا، اُسے ہمارے ہی مورخ نے درج کیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا کی صدائے نالہ و شیون کے ساتھ تمام مسلمانوں میں کہرام پڑ گیا اور عالم یہ تھا کہ لوگ اپنے سروں پر خاک اٹھا اٹھا کر ڈال رہے تھے۔

تاریخ وفات

حضرت ص کی وفات ہمارے یہاں کی مشہور روایت کے مطابق ۲۸ رصفر سنہ ۱۱ھ کو ہوئی اور عام طور پر اہل سنت ۱۲ ربیع الاول مانتے ہیں ہمارے قدیم علماء میں جناب کلینی مصنف کافی نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور قرائن کے لحاظ سے میرے نزدیک قوی قول یہ ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو وفات ہوئی ہے۔

والسلام

علی نقی النقوی

۱۴ جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۵ھ

اپیل

سرکار سید العلماء طاب ثراہ نے ۵۷ سال قبل معارف اسلامی اور مقصدِ حسینیت کی تبلیغ کے عظیم مقصد کے پیشِ نظر ۱۳۵۱ھ میں ادارۂ امامیہ مشن کی بنا ڈالی تھی۔ گزشتہ چند سال میں ادارے کی سرگرمیوں میں قدرے تعطل رہا، تاہم رمضان ۱۴۰۸ھ میں سید العلماء کی خواہش اور ہدایت کے مطابق نئی انتظامیہ کی تشکیل کی گئی اور ان کے فرزند علامہ سید علی محمد نقوی مشن کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے اور مشن کے احیاء اور تنظیمِ نو کا عمل شروع ہوا۔

دردمندانِ ملت، بہی خواہانِ امامیہ مشن اور عقیدتمندانِ سید العلماء سے اپیل ہے کہ سابق کی طرح پھر ادارہ امامیہ مشن کی بھرپور اعانت فرمائیں تاکہ سید العلماء کی تصنیفات کے علاوہ ان مفید مطلب کتابوں و رسائل کی اشاعت کا کام پوری سرگرمی کے ساتھ شروع کیا جا سکے جن کی اس وقت قوم کی فلاح و بہبود کے لیے اشد ضرورت ہے۔